اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے (ترجمہ کنزالایمان)

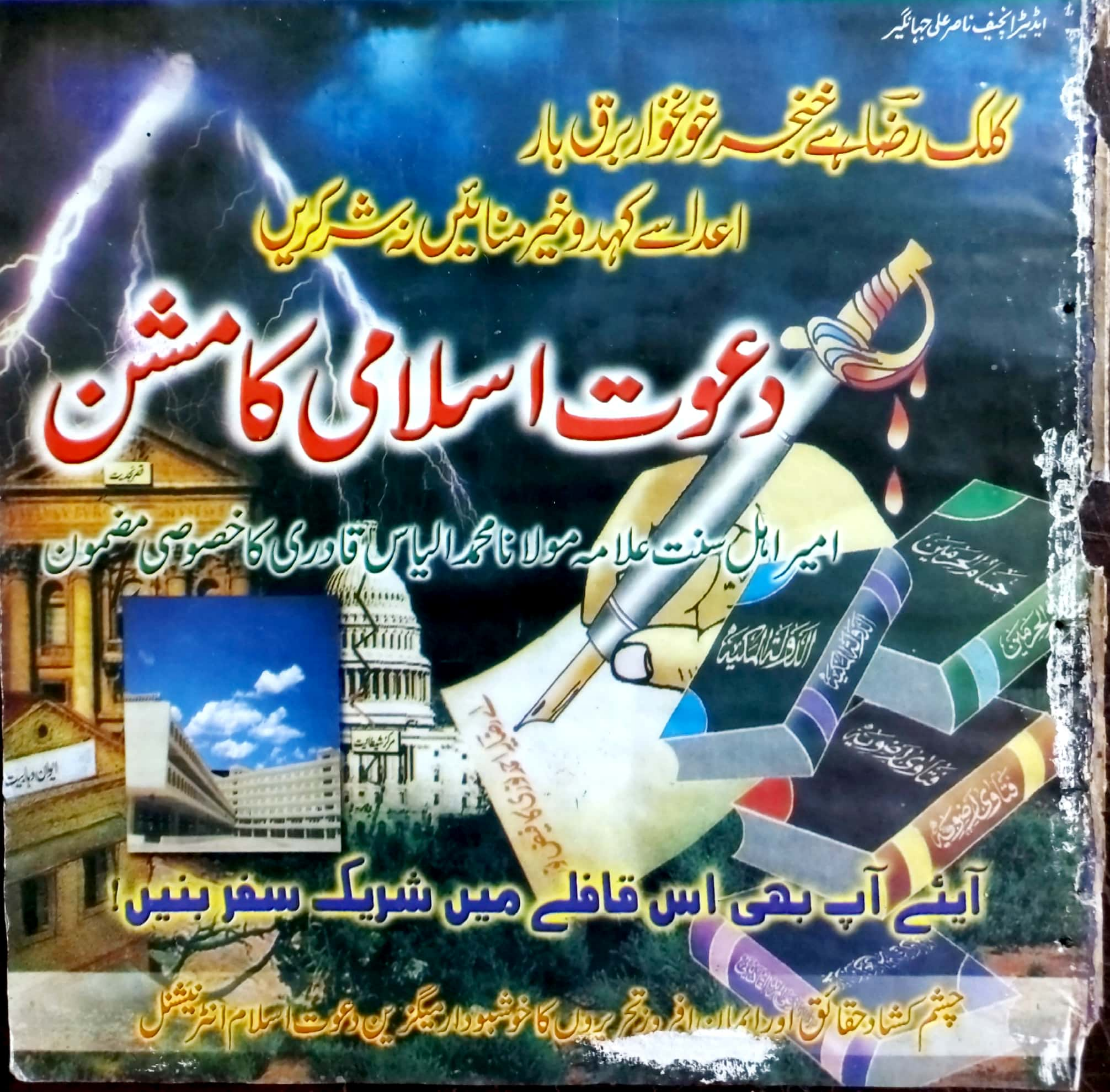
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں • یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Monthly DAWAT-E-ISLAM INTERNATONAL Karachi

ماہنامہ دعوتِ اسلام کراچی

Issue No. 2 Vol. 2, October. 2004. Rs.15.00

ایڈیٹر انچیف ناصر علی جہانگیر



کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

دعوت اسلامی کا مشن

امیر اہلِ سنت علامہ مولانا محمد الیاس قادری کا خصوصی مضمون

آیئے آپ بھی اس قافلے میں شریک سفر بنیں!

چشم کشا دحقائق اور ایمان افروز تحریروں کا خوشبودار میگزین دعوت اسلام انٹرنیشنل

یااللہ عزوجل

یارسول اللہ ﷺ

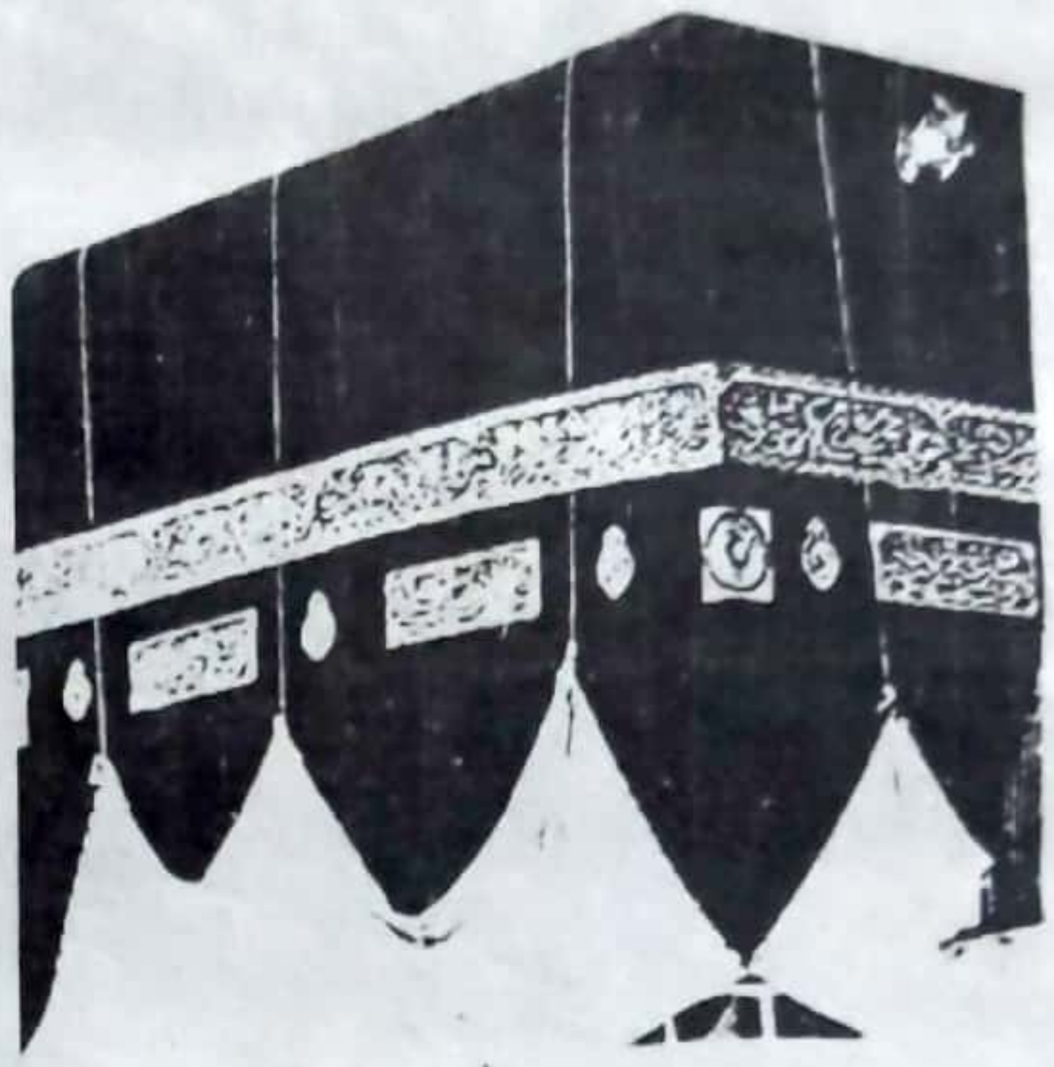
ماہنامہ

کراچی

دعوت اسلام

انٹرنیشنل

☆جلد نمبر:2/شمارہ نمبر:2☆اکتوبر 2004



اس شمارے میں

ضروری معلومات وہدایات

پاکستان میں ہدیہ فی پرچہ 15 روپے، سالانہ چندہ 180 روپے، بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں، منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا نام و پتا ضرور لکھیں۔ اگر پہلے خریدار ہیں تو اپنے خریداری کا نمبر کا حوالہ بھی دیں۔ لفافہ میں رکھ کر رقم ہرگز نہ بھیجیں، نہ نوٹ کی شکل میں نہ ٹکٹوں کی شکل میں۔ چندہ سالانہ کی میعاد ختم ہونے پر خریدار کو بذریعہ کارڈ اطلاع دی جاتی ہے۔ اس اطلاع کے بعد جب تک چندہ کی رقم موصول نہ ہوگی پرچہ کی ترسیل بند رہے گی، اگر پرچہ بذریعہ وی پی منگوانا مقصود ہو تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ وی پی کا خرچہ 180+12+10 روپے ملا کر وی پی پرچہ 202 روپے میں موصول ہوگا۔ لہٰذا اس زائد خرچہ سے بچنے کے لیے 180 روپے منی آرڈر کریں، کسی ماہ پرچہ 12 شمسی تک نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالے سے دوبارہ طلب کریں ادارہ ہر ماہ 10 تاریخ تک تمام خریداران کو پرچہ بھجوا دیتا ہے۔ نہ ملنا محکمہ ڈاک کی کوتاہی ہوتی ہے، آپ کا خریداری نمبر آپ کے پتا والی چٹ پر درج ہوتا ہے۔ اسے نوٹ فرمالیں اور خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیں۔

بیرونی ممالک: بیرون ملک پرچہ ترسیل پر ڈاک خرچ بہت زیادہ لگتا ہے اس لیے پرچوں کا ہدیہ بھی زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔ عرب امارات میں فی پرچہ 7 درہم، سالانہ چندہ 70 درہم ہے کویت میں فی پرچہ نصف دینار سالانہ چندہ دس پونڈ ہے۔ امریکا میں فی پرچہ دو ڈالر اور سالانہ چندہ بیس ڈالر ہے۔ جتنی رقم جس مقصد کے لیے بھجوائیں اس کی تفصیل ضرور لکھیں، خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

نرخ نامہ اشتہارات: آخری صفحہ ٹائٹل فی اشاعت 5 ہزار، اندرونی صفحہ ٹائٹل فی اشاعت 2500 روپے عام صفحات فی صفحہ فی اشاعت 1500 روپے رقم اشتہارات کے ساتھ پیشگی ارسال کریں۔ دینی تبلیغی اداروں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔ اشتہار کی اشاعت ادارہ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فی پرچہ 15 روپے سالانہ چندہ 180 روپے

ضرب اسلام ہاؤس 52، متصل ہمدرد پریس

نزد آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی

فون: 2443358

مناجات

المدد اے خدا، سب کے حاجت روا، آج ایمان کی جان خطرے میں ہے
رہزن دین بننے لگے رہنما، حق پرستوں کا ایماں خطرے میں ہے

یوں تو آزاد ہیں، حکمرانی بھی ہے، یوں تو سکہ کی اپنے روانی بھی ہے
درحقیقت ہیں محکوم کفار کے، اہل اسلام کی آن خطرے میں ہے

جن کے زیرنگیں ہفت کشور ہوئے، قسمت اقوام عالم کی لکھتے رہے
آج ہیں کفر کے زیرفرماں وہی، قوم کی شوکت و شان خطرے میں ہے

تھے جو پیکر کبھی عدل و انصاف کے، تھے جو پتلے کبھی حسن اخلاق کے
آج وہ ہو گئے ننگ انسانیت، اوج کا ساز و سامان خطرے میں ہے

آج اپنی خلافت بنی خواب ہے، کشتی شان مسلم ہی غرقاب ہے
خود ہی آپس میں دست و گریباں ہیں، جس سے ہر میر و سلطاں خطرے میں ہے

آہ کشمیر، قبرص، فلسطین میں یا اری ٹیریا، روس اور چین میں
حق کی خاطر مسلمان کھولیں زباں، جسم خطرے میں ہے جاں خطرے میں ہے

عہد انگریز کی سب سے لعنت بڑی، تھا جو وکٹوریہ نے بنایا نبی
اس کے اب پیروکار اس قدر ہو گئے، جس سے نظم گلستاں خطرے میں ہے

لیڈروں کے نرالے ہی اطوار ہیں، کہتے ہیں قوم کے یار و غمخوار ہیں
قومیت کو مٹاتے ہیں کچھ اس طرح، دین کا ہر نگہباں خطرے میں ہے

ناچ گانے غضب آج محبوب ہیں، آہ ام الخبائث کے مشروب ہیں
ہو رہی ہیں امیروں میں خرمستیاں، دور حاضر کا انسان خطرے میں ہے

رہزنوں کا ہوا گرم بازار ہے، رہنماؤں سے اب قوم بیزار ہے
غیرت دین و ایماں کا بیوپار ہے، آج سچا مسلمان خطرے میں ہے

کیسے تفسیر و تفہیم کے نام سے، کیسے فکر و تدبر نما دام سے
یوں مطالب بتاتے ہیں آیات کے، جن سے مفہوم قرآن خطرے میں ہے

مصطفیٰ ﷺ کے فرامین ورد زباں، مصطفیٰ ﷺ کی انہیں سے کریں کسر شاں
کس غضب کی ہیں یہ شوخیاں الاماں، تیرے پیارے کا فرمان خطرے میں ہے

اہل اسلام کو منتشر کر دیا، اب تو ہر فرد ہے ایک فرقہ جدا
دشمنان نبی بن گئے اولیاء، آج سچوں کی پہچان خطرے میں ہے

ہم نے مانا کہ بیشک خطاکار ہیں، مالک دو جہاں! ہم گنہگار ہیں
امتی ہیں مگر تیرے محبوب ہے، امت شاہ ذیشان خطرے میں ہے

بہر شاہ امم ہو نگاہ کرم، پھر ترقی کرے قوم یہ دم بدم
شان و شوکت سے اختر بھی چمکے ترا، ذوالمنن! وہ پریشان خطرے میں ہے

اختر شاہ جہان پوری مظہری

دعوتِ اسلامی کا مشن

علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری

''شرح الصدور'' میں ہے علماء فرماتے ہیں۔ بری خاتمے کے چار اسباب ہیں۔

1..... نماز میں سستی

2..... شراب نوشی

3..... والدین کی نافرمانی

4..... مسلمانوں کو تکلیف دینا

جو اسلامی بھائی نماز نہیں پڑھتے یا قضا کر کے پڑھتے ہیں فجر کے لیے نہیں اُٹھتے۔ یا بلاشرعی مجبوری کے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے بجائے گھر ہی پر پڑھ لیتے ہیں ان کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہیں نماز میں سستی برے خاتمے کا سبب بن جائے۔ اسی طرح شراب خور، ماں باپ کا نافرمان اور مسلمانوں کو اپنی زبان یا ہاتھ وغیرہ سے ایذا دینے والا سچی توبہ کر لے۔

''منہاج العابدین'' میں ہے۔ حضرت سیّدنا فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ اپنے ایک شاگرد کی نزع کے وقت تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ کر سورۂ یٰسین شریف پڑھنے لگے تو اس نے کہا کہ سورۂ یٰسین پڑھنا بند کرو۔ پھر آپ نے اسے کلمہ شریف کی تلقین فرمائی تو بولا میں ہرگز یہ کلمہ نہیں پڑھوں گا میں اس سے بیزار ہوں بس انھی الفاظ پر اس کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کو اپنے شاگرد کے برے خاتمے کا سخت صدمہ ہوا۔ چالیس روز تک اپنے گھر میں بیٹھے روتے رہے۔ چالیس دن کے بعد آپ نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے اس شاگرد کو جہنم میں گھسیٹ رہے ہیں آپ نے اس سے استفسار فرمایا۔ کس سبب سے اللہ عزوجل نے تیری مغفرت سلب فرمالی؟ اس نے جواب دیا۔ تین عیوب کے سبب سے، چغلی، حسد، ایک بیماری سے شفا پانے کے لیے طبیب کے مشورہ پر میں ہر سال شراب کا ایک گلاس پیتا تھا۔

اسلامی بھائیو! خوفِ خدا عزوجل سے لرز اٹھئے اور گھبرا کر اپنے معبود برحق عزوجل کو راضی کر لیجیے۔ آہ چغلی اور حسد اور شراب نوشی کی بدولت ولی کامل کا شاگرد بری موت مر کر جہنم میں جا پہنچا۔ آج کل بدقسمتی سے چغلی اس قدر عام ہے کہ لوگوں کو شاید پتا تک نہیں چلتا کہ وہ چغل خوری کر رہے ہیں۔ چغل خوری کیا ہے اس کو اس طرح سمجھئے کہ آپ کے سامنے زید نے بکر کی مذمت کی آپ نے اگر بکر کو زید کے حوالے سے یہ بات بتادی تو آپ چغل خور ہو گئے۔ افسوس! چغلی کا مرض بالکل عام ہے اس سبب سے کئی گھر اُجڑ جاتے ہیں بلکہ سارا معاشرہ ہی اس کے باعث تباہی کے عمیق گڑھے میں تیزی سے گرتا جا رہا ہے۔

''روح البیان'' میں ہے۔

بروزِ قیامت، چغل خور بندر کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔ حدیث پاک میں ہے۔ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔ لہٰذا ہمیں چغلی سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ نیز حسد کا مرض بھی بہت زیادہ پھیل چکا ہے۔ کسی کا کاروبار اچھا چلتا ہوا دیکھ کر آپ نے تمنا کی کہ اس کا کاروبار کم ہو جائے تو اچھا ہے آپ کا یہ تمنا کرنا حسد ہے اور یہ بات بالکل عام ہے۔ بلکہ آج کل دوسرے کا کاروبار ٹھپ کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی جاتی ہے۔ اس کے مال کی خواہ مخواہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں اور اس دکاندار پر طرح طرح کے الزامات ڈالے جاتے ہیں اور یوں حسد کے سبب جھوٹ، غیبت، آبرو ریزی اور نجانے کیا کیا گناہ کیے جاتے ہیں۔ آہ اب مسلمانوں میں بھائی چارہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے کے مسلمان کتنے بھلے انسان ہوتے تھے کیونکہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن احمد موذن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں طواف کعبہ میں مشغول تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلاف کعبہ سے لپٹ کر ایک ہی دعا کی تکرار کر رہا ہے۔ یا اللہ عزوجل مجھے دنیا سے مسلمان ہی رخصت کرنا۔ میں نے اس سے پوچھا اس کے علاوہ کوئی اور دعا کیوں نہیں مانگتے؟ اس نے کہا میرے دو بھائی تھے۔ میرا بڑا بھائی ایک عرصہ تک مسجد میں بلامعاوضہ اذان دیتا رہا جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے قرآن پاک مانگا۔ ہم نے اسے دیا تا کہ اس سے برکتیں حاصل کرے مگر قرآن پاک ہاتھ میں لے کر وہ کہنے لگا۔ تم سب گواہ رہو میں قرآن کے تمام اعتقادات اور احکامات سے بیزاری ظاہر کرتا اور نصرانی مذہب (عیسائیت) اختیار کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ کفر کی حالت میں مر گیا۔ پھر دوسرے بھائی نے مسجد میں تیس برس فی سبیل اللہ اذان دی مگر وہ بھی آخری وقت نصرانی ہو کر مرا۔ لہٰذا میں اپنے خاتمے کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہوں اور ہر وقت خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتا رہتا ہوں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن احمد موذن نے استفسار فرمایا کہ تمھارے بھائی آخر کونسا ایسا گناہ کرتے تھے جس کے سبب ان کا خاتمہ بُرا ہوا؟ اس نے بتایا۔ وہ غیر عورتوں میں دلچسپی لیتے تھے اور امردوں یعنی بے ریش لڑکوں سے دوستیاں کرتے تھے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے حج کرنے سے نہ ظاہری حاجت مانع ہوئی نہ بادشاہ ظالم کوئی ایسا مرض جو روک دے پھر بغیر حج کیے مر گیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ معلوم ہوا کہ حج فرض ہونے کے باوجود جس نے کوتاہی کی اور بغیر حج ادا کیے مر گیا تو اس کا برا خاتمہ ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

حضرت سیدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک مریض کے سرہانے تشریف لائے جو قریب المرگ تھا آپ نے کئی بار اسے کلمہ تلقین فرمایا لیکن وہ دس گیارہ، دس گیارہ کی آواز لگاتا رہا۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا میرے سامنے آگ کا ایک پہاڑ ہے جب میں کلمہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تو یہ آگ مجھے جلانے کے لیے لپکتی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا دنیا میں تم کیا کام کرتے تھے؟ اس نے کہا کہ میں کم تولا کرتا تھا۔ آہ! ناپ تول میں کمی کرنے والے تیری بربادی! سنو! سنو! تفسیر حسینی میں روایت ہے جو شخص ناپ تول میں خیانت کرتا ہے۔ قیامت کے روز اسے جہنم کی گہرائیوں میں ڈالا جائے گا اور دو پہاڑوں کے درمیان اٹھا کر حکم دیا جائے گا۔ ان پہاڑوں کو ناپو اور تولو! جب تولنے لگے تو آگ اس کو جلا دیگی۔

یہ تبلیغی تحریک دنیا کے متعدد ممالک میں مقبول ہو چکی ہے

مسلمانوں میں فکر آخرت پیدا کرنے اور جذبہ اتباع رسول ﷺ بیدار کرنے کی غرض سے دعوت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی تا کہ اچھے اعمال پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ دین سیکھیں اور سکھائیں۔ رحمتِ خدا اور نگاہِ مصطفیٰ سے دیکھتے ہی دیکھتے یہ تبلیغی دنیا کے بے شمار ممالک میں مقبول ہوگئی دعوت اسلامی کے لاکھوں معلمین و مبلغین روزانہ خوب خوب علاقائی دورے کرتے ہیں جن میں گھر گھر، دکان دکان جا کر نیکی کی دعوت پیش کی جاتی ہے۔ دعوت اسلامی کے مدنی ماحول کی برکت سے اب تک لاکھوں افراد کی زندگیوں میں مدنی انقلاب برپا ہو چکا ہے وہ جو پہلے معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھے آج اچھے مسلمان کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

اسلام میں اخلاق کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی میں

قارئین کرام کے لئے خصوصی تحریر

پیش نظر مضمون میں قرآن مقدس کے 42 مقامات سے 38 آیات کریمہ ہدیہ قارئین ہیں اس میں ان تمام آیات کوشامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن میں قرآن نے براہ راست اخلاقی قدروں کو بیان کیا ہے، جن پر عمل پیرا ہوکر دور حاضر کے فساد زدہ، بے قرار اور جہنم زار معاشرے کو پرسکون، خوشگوار اور امن و آشتی کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ بخوف طوالت آیات کی تفسیر و توضیح سے قطع نظر صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آیات کی ترتیب، ترتیب قرآن کے لحاظ سے ہے، اور ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ کے مستند ترجمہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' سے من و عن نقل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح آخر میں اخلاق رسول ﷺ سے متعلق 5 مقامات سے 8 آیات پیش کی گئی ہیں۔

ترجمہ:

''اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے۔ (النساء آیت ۸۶)

''ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے۔ (النساء آیت ۱۱۴)

''اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے اگر تم کوئی بھلائی اعلانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے درگزر کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔ (النساء آیت ۱۴۸،۱۴۹)

''اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو اس سے ڈرتے اور طمع کرتے بیشک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے'' (الاعراف آیت ۵۶)

''اور مسلمانوں کو اپنے رحمت کے پروں میں لے لو'' (الحجر آیت ۸۸)

''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو۔ اور اگر تم سزا دو تو ایسی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا'' (النحل آیت ۱۲۵۔۱۲۶)

''اور رشتے داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا بے شک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اگر تو ان سے منہ پھیرے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہے تو ان سے آسان بات کہہ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔'' (اسرائیل آیت ۲۶ تا ۲۹)

اور ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے اور زمین میں اتراتا نہ چل بے شک ہرگز زمین چیر نہ ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا یہ جو کچھ گزرا ان میں کی بری بات تیرے رب کو ناپسند ہے۔'' (اسرائیل ایت ۳۵ تا ۳۸)

''اور میرے بندوں سے فرماؤ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو بیشک شیطان ان کے آپس میں فساد ڈال دیا ہے۔ بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے'' (اسرائیل آیت ۵۳)

''تو دور رہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے'' (الحج آیت ۳۰)

''سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ بناتے ہیں'' (المومنون آیت ۹۶)

''اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزریں۔ کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (النور آیت ۲۲)

''اے ایمان والو تمہیں چاہئے کہ تم سے اذن لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے

> ''اے ایمان والو تمہیں چاہئے کہ تم سے اذن لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے تین وقت، نماز صبح سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دو پہر کو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے شرم کے ہیں، ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمد و رفت رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے'' (النور آیت ۵۸)

تین وقت، نماز صبح سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے شرم کے ہیں، ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمد ورفت رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے'' (النور آیت ۵۸)

''اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے سلام کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام'' (الفرقان آیت ۶۳)

''اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل بس تم پر سلام۔ ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔'' (القصص آیت ۵۵)

''اور اے مسلمانوں کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقے پر مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔'' (العنکبوت آیت ۷۶)

''اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اتراتا نہ چل۔ بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی'' (لقمن آیت ۱۸۔۱۹)

''اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو گی اے سننے والے برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا'' (حم السجدہ آیت ۳۳ تا ۳۵)

''اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے تو جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔ اور بے شک جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا اس پر کچھ مواخذہ کی راہ نہیں۔ مواخذہ تو انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔'' (الشوریٰ ایت ۳۸ تا ۴۳)

''تو ان سے درگزر کرو اور فرماؤ بس سلام ہے کہ آگے جان جائیں گے'' (الزخرف آیت ۸۹)

''اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے۔ دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہو گا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے'' (الحجرات آیت ۱۱۔۱۲)

''وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے۔ بیشک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل میں تھے تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں۔'' (النجم آیت ۳۲)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے'' (المجادلہ آیت ۱۱)

''اور اگر معاف کرو اور درگزر اور بخش دو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' (آیت ۱۴)

اخلاق رسول قرآن کے آئینے میں

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوا اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گروہ سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔'' (آل عمران آیت ۱۰۹)

''بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان'' (التوبہ آیت ۱۲۸)

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے'' (الانبیاء آیت ۱۰۷)

''اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لئے'' (الشعراء آیت ۲۱۵)

''قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔'' (القلم ا تا ۴)

اخلاق کے موضوع پر قرآن عظیم سے جو آیات مقدسہ ہم نے یہاں ترتیب دی ہیں وہ اس قدر جامع ہیں کہ ہم نے قارئین کے لئے ان کی وضاحت سے اپنے قلم کو روکا ہے۔ دوسرے یہ خیال بھی قلم گیر رہا کہ جو محترم و معظم علمائے کرام اپنے گراں مایہ مقالات رقم کریں گے ان میں وہ قرآن کی ان آیات کی تشریح و توضیح مختلف زاویوں سے ضرور پیش فرمائیں گے۔ ہماری درخواست ہے کہ اخلاق کے حوالے سے جو مقدس آیات ہم نے ترتیب دی ہیں ان پر قارئین کرام بار بار غور فرمائیں اور غور ہی نہیں بلکہ ان سے اپنی عملی زندگی کو آراستہ کریں۔ اسی میں ہم سب کی فلاح ہے۔

''تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوا اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گروہ سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔'' (آل عمران آیت ۱۰۹)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کی نورانیت

دعوت اسلام تحقیقاتی سیل

چہرہ اقدس

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ عزوجل کے حسن و جمال کے کامل مظہر ہیں جو بھی آپ کا دیدار کرتا آپ پر فدا ہو جاتا۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ

''آقا و مولا ﷺ کے چہرہ اقدس کا ہمیشہ دیدار کرتا ہوں۔'' (المنبہات)

آپ کے حسن و جمال کے بارے میں حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں۔

''میں نے رسول معظم ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہ دیکھا۔'' (مسلم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

''میں نے بہت حسین اشیاء دیکھیں مگر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہ پایا'' (ابن عساکر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

''آپ ﷺ کو اچانک دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والا آپ سے محبت کرتا اور آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا ہر شخص یہ کہتا کہ میں نے حضور ﷺ کی مثل نہ آپ ﷺ سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ آپ کے بعد'' (شمائل ترمذی)

وصف جس کا ہے آئینہ حق نما
اس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ اپنی ذات والا صفات کے لحاظ سے بھی بڑی شان والے تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی عظمت والے تھے آپ کا چہرہ اقدس چودھویں کی چاند کی طرح چمکتا تھا'' (شمائل ترمذی)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ صورت کے لحاظ سے سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے اور سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

''میں نے آقائے دو جہاں ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہ دیکھا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا آفتاب آپ ﷺ کے چہرہ اقدس میں جلوہ گر تھا۔'' (شمائل ترمذی)

خامہ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں

''نور مجسم ﷺ جب بھی خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ اقدس ایسے منور ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا'' (بخاری و مسلم)

حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا گیا، کیا نبی ﷺ کا چہرہ اقدس تلوار کی طرح چمکدار تھا، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ سورج و چاند کی طرح چمکدار تھا (یعنی گولائی کی طرف مائل تھا)۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں۔

''میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا آپ سرخ دھاری دار لباس زیب تن کئے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آقا و مولیٰ ﷺ کو، آخر کار میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نور مجسم ﷺ چاند سے بہت زیادہ حسین و خوبصورت ہیں۔'' (شمائل ترمذی)

''حضور ﷺ کا چہرہ تمام انسانوں سے زیادہ حسین اور نورانی تھا، آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی تعریف کرنے والے ہر شخص نے اسے چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی، آقا علیہ السلام کے چہرہ انور پر پسینہ کی بوندیں موتیوں کی مثل معلوم ہوتی تھیں اور پسینہ مبارک خالص کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا'' (ابو نعیم، زرقانی)

حضرت امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں

من وجہہ الشمس من خدہ بدر الدجیٰ
من ذاتہ نور الہدیٰ من کفہ بحر الھمم

''وہ جن کا چہرہ چمکتا ہوا سورج ہے اور رخسار مبارک چودھویں کے چاند، وہ جن کی ذات ہدایت کا نور ہے اور جن کی ہتھیلی میں سخاوت کا دریا ہے''

حضرت انسؓ کے فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ کا چہرہ تمام انسانوں سے زیادہ حسین اور نورانی تھا، آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی تعریف کرنے والے ہر شخص نے اسے چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی، آقا علیہ السلام کے چہرہ انور پر پسینہ کی بوندیں موتیوں کی مثل معلوم ہوتی تھیں اور پسینہ مبارک حالص کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا'' (ابو نعیم، زرقانی)

مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

حسن بے داغ کے میں صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذؓ سے عرض کی کہ مجھے حضور ﷺ کے حسن و جمال کے بارے میں بتائیں۔ انہوں نے فرمایا۔

''اے بیٹے، اگر تو سرکار دو عالم ﷺ کا دیدار کرتا تو یہ محسوس کرتا کہ سورج طلوع ہو گیا ہے'' (دارمی، مشکوٰۃ)

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

''مجھے نور مجسم ﷺ کے چہرہ اقدس کا آخری دیدار اس وقت نصیب ہوا جس (وصال سے قبل) پیر کے دن آپ ﷺ نے پردہ اٹھا کر ہمیں نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا پس میں نے آپ کے چہرہ انور کو مصحف کا ایک ورق پایا، لوگ اس وقت ابو بکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔'' (شمائل ترمذی)

امام نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ کے چہرہ انور کو مصحف پاک کا ورق اس لئے کہا کہ جس طرح قرآنی ورق کلام الہٰی ہونے کی وجہ سے حسی و معنوی انوار کا خزینہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کا چہرہ اقدس بھی حسی و معنوی انوار کا منبع ہے۔''

جلوہ موئے محاسن چہرہ انور کے گرد

آبنوی رحل پہ رکھا ہے قرآن جمال

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

''ایک رات میں کچھ سی رہی تھی کہ سوئی زمین پر گر پڑی میں اسے تلاش کر رہی تھی کہ نور مجسم ﷺ تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور سے نکلنے والی نوری شعاعوں سے میں نے وہ سوئی تلاش کر لی'' (ابن عساکر)

حضور ﷺ کے چہرہ انور کی روشنی میں سوئی مل جانے کا واقعہ اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

''میں رات کے اندھیرے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کی روشنی میں سوئی میں دھاگا ڈال لیا کرتی تھی'' (خصائص کبریٰ)

سوزن گمشدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

لواحی زلیخا اور این جبینہ
لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

''اگر زلیخا کو طعنے دینے والی عورتیں آپ ﷺ کی منور پیشانی دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کی بجائے اپنے دل کاٹ دیتیں۔'' (زرقانی)

حضور ﷺ کے چہرہ انور کو پہلی نظر میں دیکھ کر حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہود کے بڑے عالم تھے پکار اٹھے۔

''یہ مقدس اور نورانی چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا'' (مشکوٰۃ)

حضرت حارث بن عمرو السہمیؓ فرماتے ہیں کہ منیٰ کے مقام پر حضور ﷺ جلوہ گر تھے اور جو اعرابی آپ کا دیدار کرتا، بے اختیار کہہ اٹھتا۔

''یہ نورانی چہرہ بابرکت ہے'' (ابوداؤد)

حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں

''مجھے قریش نے حضور اکرم ﷺ کے پاس بطور قاصد بھیجا، جب میری پہلی نظر حضور ﷺ کے چہرہ اقدس پر پڑی تو میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا۔'' (ابوداؤد)

جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام

حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں

''اگر آپ ﷺ اپنی زبان سے اعلان نبوت نہ فرماتے تب بھی آپ ﷺ کے انوار و کمالات سے آپ ﷺ کی نبوت واضح ہو جاتی'' (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا ارشاد ہے۔

''اگر آپ ﷺ سے معجزات کا اظہار نہ بھی ہوتا تب بھی آپ ﷺ کے حسن و جمال کا منظر آپ کے نبوی ہونے کی دلیل تھا'' (خصائص کبریٰ)

''اگر آپ ﷺ سے معجزات کا اظہار نہ بھی ہوتا تب بھی آپ ﷺ کے حسن و جمال کا منظر آپ کے نبوی ہونے کی دلیل تھا'' (خصائص کبریٰ)

اہل مدینہ نے آپ کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''ہم پر چودھویں کا چاند ثنیات الوداع پہاڑی سے طلوع ہوا''

حضرت عباد بن عبدالصمدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ کے گھر گئے۔ آپ نے کنیز سے کھانا لانے کے لئے کہا جب وہ لے آئی تو فرمایا رومال لاؤ، وہ ایک میلا رومال لائی آپ نے تنور گرم کروا کے وہ رومال آگ میں ڈال دیا اور پھر اسے نکالا تو وہ دودھ کی طرح سفید نکلا ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا! یہ وہ رومال ہے جس سے نبی کریم ﷺ اپنا چہرہ اقدس مس کیا کرتے تھے جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اسے اسی طرح صاف کرتے ہیں کیونکہ اس شے پر آگ اثر نہیں کرتی جو انبیاء کرام علیہم السلام کے چہرہ مبارک سے مس ہو جائے'' (ابونعیم، خصائص کبریٰ)



سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ مبارک کا خوب صورت فضائی منظر ضرب اسلام کے قارئین کے لیے خصوصی طور پر پیش کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دعوت اسلام خصوصی مضمون

رحمت عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے سارا جزیرہ نمائے عرب کفر و شرک کا ظلمت کدہ تھا لیکن بعض قبائل میں خال خال ایسے افراد بھی مل جاتے تھے جو شرک اور جاہلی رسوم سے سخت متنفر تھے وہ صدق دل سے توحید کے قائل تھے اور دین ابراہیمی کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ ایسے ہی سعید الفطرت لوگوں میں ایک صاحب زید تھے۔ ان کا تعلق قریش کے نامور قبیلہ بنو عدی سے تھا وہ عمرو بن نفیل (بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی قرشی) کے فرزند اور حضرت عمر فاروقؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ (کعب بن لوی پر ان کا نسب رسول اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے) زید عقیدہ توحید میں بہت سخت تھے ان کو نہ صرف بت پرستی اور شرک سے اجتناب تھا بلکہ وہ بتوں پر کی ہوئی قربانی مردار اور خون کو بھی حرام سمجھتے تھے۔ بعض ارباب سیر نے لکھا ہے کہ زید شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور اپنے اشعار میں کفر و شرک کی علانیہ مذمت کرتے تھے۔ بت پرستی کی مذمت میں یہ شعراء انہی سے منسوب ہیں۔

''میں نہ عزیٰ پر ایمان رکھتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں اور نہ بنی طسم کے بتوں پر جب خدائی کے کام تقسیم ہوگئے تو میں ایک اللہ پر ایمان لاؤں یا ہزار خداؤں پر''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کے بارے میں بھی انہوں نے بہت سے شعر کہے جن میں سے کچھ یہ ہیں

''میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکایا جس کے آگے صاف اور شیریں پانی والے بادلوں نے اپنی گردن جھکا دی اور میں نے اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین نے سر جھکایا۔ اس نے اس زمین کو بچھا دیا اور جب دیکھا کہ وہ پانی پر مضبوطی سے جم گئی ہے تو اس نے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔

ایک شعر میں لات و عزیٰ سے اپنی بریت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''میں نے لات و عزیٰ سب کو چھوڑ دیا اور عقلمند آدمی ایسا ہی کرتا ہے''

بت پرستی اور رسوم جاہلیت کی علانیہ مذمت کرنا اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف بلانا ایسے کام نہ تھے کہ قریش انہیں ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے۔ وہ زید کے سخت دشمن ہوگئے اور ان کی ایذا رسانی پر کمر باندھ لی، اس معاملہ ان کے چچا خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ انہوں نے زید کو اس قدر ستایا کہ وہ تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے اور حرار میں مقیم ہوگئے تاہم کبھی کبھی چھپ چھپا کر کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آجاتے تھے۔ نزول وحی سے چند سال پیشتر ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ اور زید کی وادی بلدح میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقع پر حضور ﷺ کی طرح زیدؓ نے بھی بتوں پر چڑھایا ہوا ذبح کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ بلدح کے نیچے زید بن عمر بن نفیل سے ملے، یہ وہ زمانہ تھا جب آپ ﷺ پر وحی نہیں آتی تھی۔ آپ ﷺ کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا، آپ ﷺ نے کھانے سے انکار فرمایا، پھر زید نے کہا، تمہارے استھانوں پر جو ذبح ہوتا ہے میں اس کو نہیں کھاتا، میں وہی کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا جائے۔ زید بن عمرو قریش کے ذبیحوں کو برا جانتے تھے اور کہتے تھے، بکری کو خدا نے پیدا کیا اور اسی نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اس کے لئے سبزہ اگایا، پھر تم اس کا انکار کر کے اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو اور اس (غیر اللہ) کی تعظیم کرتے ہو۔''

زمانہ جاہلیت میں عرب میں دختر کشی کا عام رواج تھا، ظالم باپ اپنی ننھی بچیوں کو زندہ دفنا دیا کرتے تھے۔ زید کو اس لرزہ خیز ظلم سے شدید نفرت تھی، ان کو جب کسی شقی القلب باپ کے ارادہ کا علم ہوتا تو وہ فوراً اس کے پاس جاتے اور لڑکی کو اپنی سرپرستی میں لے لیتے اس طرح انہوں نے بیسیوں معصوم بچیوں کی جانیں بچائیں اور ان کے جوان ہونے تک کفالت کی۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ ''میں نے زید بن عمرو کو ان کے بڑھاپے میں دیکھا تھا، وہ کعبہ کی دیوار سے سہارا لگائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے گروہ قریش واللہ میرے سوا تم میں سے کوئی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ وہ موودہن کو جلا لیتے تھے (زندہ رکھتے تھے) جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو قتل کرنا چاہتا تھا، وہ کہتے تھے، قتل مت کرو، میں اس کا بار اٹھاؤں گا یہ کہہ کر لے جاتے تھے۔ جب جوان ہو جاتی تھی تو اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو ورنہ میرے پاس ہی رہنے دو، میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔''

زید نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام موصل اور جزیرہ

''رسول اللہ ﷺ بلدح کے نیچے زید بن عمر بن نفیل سے ملے، یہ وہ زمانہ تھا جب آپ ﷺ پر وحی نہیں آتی تھی۔ آپ ﷺ کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا، آپ ﷺ نے کھانے سے انکار فرمایا، پھر زید نے کہا، تمہارے استھانوں پر جو ذبح ہوتا ہے میں اس کو نہیں کھاتا، میں وہی کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا جائے۔ زید بن عمرو قریش کے ذبیحوں کو برا جانتے تھے اور کہتے تھے، بکری کو خدا نے پیدا کیا اور اسی نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے اس کے لئے سبزہ اگایا، پھر تم اس کا انکار کر کے اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو اور اس (غیر اللہ) کی تعظیم کرتے ہو۔''

تک کا سفر کیا اور وہاں کے یہودی اور نصرانی علماء سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا کیونکہ ان لوگوں کے خیالات بھی مشرکین مکہ کے عقائد سے مشابہت رکھتے تھے اس پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''الٰہی تو گواہ رہیو کہ میں دین ابراہیمؑ پر ہوں۔''

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ۔

''اے اللہ اگر میں یہ جانتا کہ تیری عبادت کا کون سا طریقہ تجھے پسند ہے تو میں اسی طریقہ سے عبادت کرتا۔'' پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے۔

سرور عالم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادلخم میں زید کو قتل کر ڈالا۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ورقہ بن توفل نے ان کے واقعہ قتل پر ایک دردناک مرثیہ کہا۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر زیدؓ کے فرزند کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے عرض کیا۔

''یارسول اللہ زید کے خیالات کا آپ کو علم ہے کیا ہم ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ زید بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے ان کی وفات دین ابراہیم پر ہوئی۔''

ایک اور روایت میں زید کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔

زید بن عمرو نے بنوخزاعہ کی ایک خاتون فاطمہ بنت بعجہ سے شادی کی تھی انہیں کے بطن سے اس مرد حق آگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سعید الفطرت فرزند عطا کیا کہ جس کی جلالت قدر پر اوج ثریا نے رشک کیا اور جس کے فضائل و محاسن تاریخ اسلام کا ایک تابناک باب بنے۔ پاک نفس باپ نے اس فرزند گرامی کا نام سعد رکھا اور سعید واقعی اسم با مسمیٰ ثابت ہوئے۔ ابو الاعور سعیدؓ بن زید نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر میں ہمیشہ خدائے واحد اور دین ابراہیمی کا چرچا سنا۔ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھنے والے موحد باپ کی تربیت نے ان کے دل میں توحید سے گہرا لگاؤ پیدا کر دیا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے بعثت کے بعد جونہی دعوت حق کا آغاز فرمایا، سعیدؓ لپک کر آگے بڑھے اور دین حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے ان سے پہلے صرف گنتی کے چند سلیم الفطرت اصحاب سعادت اندوز اسلام ہوئے تھے۔

حضرت سعیدؓ کی زوجہ فاطمہؓ بنت خطاب تھیں جو حضرت عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی فطرت صالح سے نوازا تھا اپنے شوہر کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور یوں دونوں میاں بیوی اللہ کے ان پاک باز بندوں میں شامل ہو گئے جنہیں حق تعالیٰ نے سابقون الاولون کا خطاب دے کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطاب سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعیدؓ اٹھائیسویں۔

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت خبابؓ بن الارت کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے۔ حق کے نام لیواؤں کے لئے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔ مشرکین قریش اہل حق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت اور انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے یہاں تک کہ رحمت عالم ﷺ ان کی شرانگیزی اور ایذارسانی سے بچنے کے لئے اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقمؓ کے گھر پناہ گزیں ہو گئے تھے جو کوہ صفا کے دامن میں ایک وسیع اور محفوظ احاطہ تھا۔

اس زمانے میں حضرت فاطمہؓ کے شجاع بھائی حضرت عمرؓ بن خطاب بھی کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے اور سرور عالم ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا بھی یہی حال تھا، ان کو دعوت حق پر غور و فکر کرنے کے بجائے سیر و شکار سے زیادہ لگاؤ تھا۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس آ رہے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی ان کے راستے میں کھڑی ہو گئی اور طعن آمیز لہجے میں بولی۔

''ابو عمارہ کاش تم تھوڑی دیر پہلے آتے تو دیکھتے کہ ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے وہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہا تھا کہ ابوجہل نے اس پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر دی، مٹی اور گوبر پھینکا اور جسمانی ایذا بھی پہنچائی افسوس کہ بنو ہاشم کے یتیم کی حمایت میں کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔''

حضرت حمزہؓ سرور عالم ﷺ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، خون اور دودھ کے جوش نے انہیں بے قرار کر دیا۔ سخت غیظ و غضب کے عالم میں اپنی کمان کھینچ کر خانہ کعبہ کی طرف دوڑے، ابوجہل ابھی تک وہیں تھا اور قریش کے ایک مجمع میں بیٹھا لاف زنی کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ جوش اور غصہ میں بھرے ہوئے اس پر لپکے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ لہولہان ہو گیا، اس کے ساتھ ہی اسے للکار کر کہا۔

''تو محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میرا دین بھی محمد ﷺ کا دین ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں، تجھ میں ہمت ہے تو مجھے اس سے روک کر دکھے۔''

اس پر بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن اس نے کہا۔

''ابو عمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت گالیاں دی تھیں، اس لئے اس کو غصہ آ گیا۔''

اس کے بعد حضرت حمزہؓ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا۔

''برادرزادے خوش ہو جاؤ میں نے عمرو بن ہشام (ابو جہل) سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا۔

''چچا جان میری خوشی تو اس میں ہے کہ آپ بت پرستی ترک کر کے دین حق کی پیروی کریں۔''

حضرت حمزہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور شش و پنج کی حالت میں گھر واپس آئے۔ ساری رات ہجوم افکار میں گزری۔ صبح تک ان کے باطن کا دغدغہ دور ہو گیا اور رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور شش و پنج کی حالت میں گھر واپس آئے۔ ساری رات ہجوم افکار میں گزری۔ صبح تک ان کے باطن کا دغدغہ دور ہو گیا اور رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سعادت اندوز اسلام ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کی خبر مشرکین پر بجلی بن کر گری لیکن پرستاران حق بے حد مسرور ہوئے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اسی زمانہ میں حضور ﷺ نے ایک دعا مانگی۔

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کی خبر مشرکین پر بجلی بن کر گری لیکن پرستاران حق بے حد مسرور ہوئے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ اسی زمانہ میں حضورﷺ نے ایک دعا مانگی۔

''الٰہی قریش کے دو ستونوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے جس کو تو چاہے، ہدایت کا راستہ دکھا تا کہ تیرے دین کو تقویت پہنچے۔''

یہ دعا اللہ تعالیٰ نے عجیب رنگ میں قبول فرمائی۔ حضرتؓ حمزہؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ابوجہل کی حالت ماروم بریدہ کی سی ہوگئی اس نے طیش میں آ کر اعلان کیا کہ جو شخص محمدﷺ کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس لائے گا۔ اس کو سو سرخ اونٹ یا ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب رشتہ میں ابوجہل کے بھانجے ہوتے تھے (ان کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں) اور شجاعان قریش میں شمار ہوتے تھے۔ ابوجہل نے انہیں سخت اشتعال دلایا یہاں تک کہ وہ تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، اس کام کو میں انجام دوں گا۔

یہ کہہ کر شمشیر بدست حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے راستے میں ان کے قبیلے کے ایک صاحب نعیمؓ بن عبداللہ النحام مل گئے وہ دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا انہوں نے پوچھا

''عمر کدھر کا قصد ہے؟''

حضرت عمرؓ ''بس آج اس شخص کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالتا ہے۔''

حضرت نعیمؓ ''عمر، خدا کی قسم تمہارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا ہے، تم محمدﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنوعبد مناف تمہیں زندہ چھوڑیں گے۔''

حضرت عمرؓ ''مجھے کسی کا خوف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صحابی ہو گئے ہو کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑا دوں؟''

حضرت نعیمؓ ''تم مجھ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔''

حضرت عمرؓ ''میرے کون سے گھر والے؟''

حضرت نعیمؓ ''تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔''

حضرت عمرؓ کو نعیمؓ کی باتیں سن کر سخت تاؤ آیا۔ سیدھے سعید بن زید کے گھر پہنچے۔ اس وقت سادس الاسلام حضرت خبابؓ بن الارت بھی حضرت سعیدؓ کے گھر موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوت قرآن کی آواز سنی تو ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا، دروازے پر زور سے دستک دی۔ تینوں پرستاران حق سمجھ گئے کہ یہ عمر ہیں۔ حضرت خبابؓ تو گھر کے پچھلے حصے میں روپوش ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ نے کلام پاک کے اجزاء جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ ''یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟''

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ نے کہا۔ ''تم نے کچھ نہیں سنا۔''

حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہو کر بولے ''نہیں میں نے سنا ہے، خدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو چکے ہو، میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ حضرت سعیدؓ سے لپٹ گئے، ان کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور بھائی کے ہاتھ سے انہیں چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے جوش غضب میں ایک لکڑی حضرت فاطمہؓ کے چہرے پر دے ماری جس سے وہ لہولہان ہو گئیں لیکن استقلال کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں بولیں۔

''ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمدﷺ کی متابعت اختیار کر لی ہے تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔ اسلام کا نقش ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا)

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے ان کا غصہ ندامت میں تبدیل ہو گیا اور بولے۔

''اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔''

حضرت فاطمہؓ نے کہا ''ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔''

حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ ''میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔''

حضرت فاطمہؓ کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید ان پر کلام الٰہی کا اثر ہو جائے انہوں نے کہا۔

''ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے۔''

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورہ طٰہٰ ان کے سامنے آئی اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآن کریم کی شوکت الفاظ، ندرت بیان اور فصاحت زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی جب اس آیت پر پہنچے۔

''میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کر)

تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد الرسول اللہ

حضرت خبابؓ بن ارت جو اندر چھپے ہوئے تھے اب باہر نکلے اور مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''اے عمر! مبارک ہو کہ رسول اللہﷺ کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی۔ حضورﷺ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمر بن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ بن خطاب میں سے جو کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔''

حضرت عمرؓ نے نہایت انکسار کے ساتھ حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے جلد رسول اللہﷺ کی خدمت میں لے چلو۔

حضرت خبابؓ، حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر حضرت ارقمؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرامؓ نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا شیر خدا حضرت حمزہؓ کو جوش آ گیا، انہوں نے تلوار سونت لی اور کڑک کر کہا ''عمر آتا ہے تو آئے اگر اس کی نیت نیک نہیں ہے تو خدا

حضرت عمرؓ کو نعیمؓ کی باتیں سن کر سخت تاؤ آیا۔ سیدھے سعید بن زید کے گھر پہنچے۔ اس وقت سادس الاسلام حضرت خبابؓ بن الارت بھی حضرت سعیدؓ کے گھر موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوت قرآن کی آواز سنی تو ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا، دروازے پر زور سے دستک دی۔ تینوں پرستاران حق سمجھ گئے کہ یہ عمر ہیں۔ حضرت خبابؓ تو گھر کے پچھلے حصے میں روپوش ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ نے کلام پاک کے اجزاء جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے باقی تمام زندگی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ اس دوران میں ملکی سیاست میں اتار چڑھاؤ آئے لیکن وہ ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ تاہم 35ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں کوفہ میں مقیم تھے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

کی قسم اس تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔"

اس پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ "دروازہ کھول دو"

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے۔ حضرت خبابؓ پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا، عمر کس نیت سے آئے ہو؟

حضرت عمرؓ جلال نبوت سے کپکپا اٹھے، سر جھکا کر نہایت دھیمے لہجے میں کہا "اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے لئے۔"

یہ الفاظ سن کر صحابہ کرامؓ فرط مسرت سے بے خود ہو گئے، انہوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ وہ اپنی جرات، دلاوری، بےخوفی، فراست اور تدبر کی بدولت اسلام کا ایک عظیم ستون ثابت ہوئے اور جریدہ عالم پر ایسے نقش ثبت کئے جو ابدالآباد تک ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ افتخار اور مشعل راہ بنے رہیں گے۔ فاروق اعظمؓ کو حق کا حلقہ بگوش بنانے میں حضرت سعیدؓ بن زید اور فاطمہؓ بن خطاب کا بہت حصہ ہے۔ یہ ان کی استقامت اور اخلاص ہی کا نتیجہ تھا کہ بنو عدی کے مرد آہن کا دل بھی پگھل گیا اور وہ آناً فاناً دشمنان حق کی صف سے نکل کر جاں نثاران اسلام کی صف میں آ گئے۔

رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ حافظ بن حجرؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ ہجرت میں ان کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جب حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت سعیدؓ کو حضرت رافعؓ بن مالک زرقی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔ (یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔ ابن ہشام اور ان اثیر نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں حضرت ابیؓ بن کعب کا اسلامی بھائی بنایا)

2 ہجری میں بدر کے میدان میں حق و باطل کا معرکہ اول پیش آیا تو حضرت سعید بن زید ان تین سو تیرہ نفوس قدسی میں سے ایک تھے جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفر کی مہیب طاغوتی قوت سے محض اللہ کے بھروسے پر بھڑ گئے۔ واقدی، ابن سعد اور کچھ دوسرے اہل سیر نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر سرور کائنات ﷺ نے حضرت سعیدؓ کو ایک خاص کام کے لئے حضرت طلحہؓ کے ساتھ شام کی طرف بھیجا تھا۔ وہ غزوہ ختم ہونے کے بعد مدینہ واپس آئے تاہم حضور ﷺ نے بدر کے مال غنیمت میں ان کا حصہ لگایا اور جہاد کے ثواب سے بہرہ ور ہونے کی بشارت بھی دی۔ لیکن صحیح بخاریؒ میں واضح طور پر ان کا نام اصحاب بدر کی فہرست میں درج ہے اور ایک دوسری روایت میں بھی ان کے نام کے ساتھ بدری کا لقب مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعیدؓ نے عملی طور پر غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ بدر کے بعد دوسرے تمام غزوات نبوی ﷺ میں بھی سرور عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ احد، خندق، خیبر، حنین اور طائف ہر معرکے میں انہوں نے کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ 6ھ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا، فتح مکہ کے موقع پر ایک دستہ فوج کے افسر تھے۔ غزوہ عسرت (تبوک) میں طویل پرصعوبت سفر کی تمام سختیاں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبول اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم سے کشمکش کا آغاز ہوا تو حضرت سعیدؓ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہو گئے۔ 13ھ (عہد صدیقی) میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، اس لڑائی میں نوے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار اور ان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، مسلمان جانباز جن میں حضرت سعیدؓ بھی شامل تھے سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اپنی قوت ایمانی کے بل پر کثیر التعداد رومی لشکر کو عبرتناک شکست دی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا رخ کیا۔ اسی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور خلافت فاروقی کا آغاز ہوا۔ اس وقت دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ہرقل نے ایک بڑی فوج اہل دمشق کی مدد کے لئے روانہ کی سپہ سالار اسلام حضرت خالدؓ بن ولید کو اس فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو محاصرے پر چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دمشق سے ایک منزل

حضرت سعیدؓ نے نواح مدینہ میں عقیق کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس جگہ انہوں نے باختلاف روایت 50ھ، 51ھ یا 52ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعدؓ اور ابن عمرؓ قبر میں اترے اور اسلام کے اس مہر درخشاں کو سپرد خاک کر دیا۔

دو رومیوں کی امدادی فوج کے مقابل ہوئے۔ اسلامی لشکر کی صف بندی کرتے وقت انہوں نے حضرت سعیدؓ بن زید کو رسالہ کا افسر مقرر کیا، رومی لشکر نے حملہ کیا تو سب سے پہلے مسلمانوں کا رسالہ اس کی زد میں آیا۔ حضرت سعیدؓ نے بڑی جرات اور استقامت کے ساتھ رومیوں کے پرخروش حملے کو روکا، اس اثناء میں حضرت خالدؓ نے رومیوں کے میسرہ پر اور حضرت معاذؓ بن جبل نے میمنہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی رسالہ ان کے دباؤ سے آزاد ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعیدؓ رومیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ان کی تمام صفیں درہم برہم ہوگئیں اور وہ اپنے سینکڑوں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ لڑائی ''یوم مرج الصفر'' کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس دمشق آ گیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد اس پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ دمشق کے بعد مسلمان قنسرین اور بعلبک کو مفتوح کر کے حمص کی طرف بڑھے جو شام کا ایک اہم شہر تھا اور جہاں رومیوں نے ایک زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا۔ اس وقت شام کا ایک نامی جنگجو مرلیس حمص کا حکم تھا۔ اس نے پہلے تو شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جب ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اسے شکست دی تو وہ قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس کو فتح کرنے کے لئے بار بار حملے کئے لیکن اہل حمص نے سخت مزاحمت کی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک جنگی منصوبہ بنایا اور اس کے مطابق تھوڑے سے سوار اور معمولی سامان پیچھے چھوڑ کر سارا لشکر دمشق کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل دور چلا گیا۔ حاکم حمص مرلیس نے سمجھا کہ مسلمان بددل اور مایوس ہو کر پسپا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی فوج ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں کی لشکر گاہ پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان سواروں نے معمولی مقابلہ کیا اور پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ رومیوں کے دل بڑھ گئے اور انہوں نے تیزی سے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی چال کامیاب ہوگئی، بڑی اسلامی فوج نے دمشق سے کافی دور خفیہ مورچے قائم کر لئے تھے، جونہی رومی لشکر اس کی زد میں آیا، مجاہدین اسلام اس پر برق بے اماں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن جب حضرت سعیدؓ نے ان کے سردار مرلیس کا کام تمام کر دیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ مسلمان اب طوفان کی طرح حمص کی طرف بڑھے، اہل حمص کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے فوراً مسلمانوں کی اطاعت کا اعلان کر دیا اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔

حمص کی فتح کے بعد رجب 15ھ میں یرموک کی خونریز جنگ پیش آئی جس نے شام کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا، اس لڑائی میں حضرت سعیدؓ پیدل فوج کے افسر تھے وہ ایسی شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔

علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں لکھا ہے کہ اثنائے جنگ میں رومیوں نے مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا چونکہ اس حصے میں کثیر الخم اور غسان کے قبائل تھے جن کے دلوں میں رومیوں کا رعب سمایا ہوا تھا اس لئے پہلے ہی حملے میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن افسر جمے رہے، انہیں میں حضرت سعیدؓ اور ان جیسے دوسرے مجاہدوں کی جانبازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومیوں کے ٹڈی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اسی زمانے میں سپہ سالار اسلام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے حضرت سعیدؓ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔ پھر دمشق کی امارت سے استعفیٰ دے کر میدان جہاد میں پہنچ گئے۔ جب تک شام مکمل طور پر فتح نہ ہو گیا وہ برابر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہے۔ فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ مدینہ منورہ آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔

23ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ زخمی ہوئے تو حضرت سعیدؓ ان کے گھر میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی وہیں بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ نے جو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ فرمایا۔

''دیکھو میں نے کلالہ کے متعلق کچھ نہیں کہا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، جو عرب اس وقت قید میں ہیں وہ سب آزاد ہیں''۔

حضرت سعیدؓ بولے ''اگر آپ کسی مسلمان کو خلیفہ نامزد کر دیں تو مسلمان آپ پر اعتماد کریں گے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا ''میں تو صرف ان چھ شخصوں کے اندر خلافت کو رکھوں گا جن سے رسول اللہ ﷺ وفات کے وقت تک راضی رہے اور جن میں بار خلافت اٹھانے کی صلاحیت بھی ہے۔''

پھر فرمایا

''اگر سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ یا ابو عبیدہؓ بن الجراح میں سے اس وقت کوئی ہوتا تو میں اس خلیفہ بنا کر مطمئن ہو جاتا۔''

جن چھ اصحاب کو حضرت عمرؓ نے خلافت کے قابل سمجھا ان کے نام یہ ہیں۔

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔

یہ سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت سعیدؓ بن زید بھی ان کے ہم مرتبہ تھے لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں محض اس لئے خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا کہ وہ ان کے اپنے خاندان (بنو عدی) سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے کسی صاحب کا تعلق بنو عدی سے نہیں تھا۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے باقی تمام زندگی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ اس دوران میں ملکی سیاست میں اتار چڑھاؤ آئے لیکن وہ ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ تاہم 35ھ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں کوفہ میں مقیم تھے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں، اگر ان کی وجہ سے کوہ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔'' (صحیح

اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کی بدولت حضرت سعیدؓ کو ''مستجاب الدعوات'' کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امام مسلمؒ، حافظ بن حجرؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اروی بن اویس نامی ایک عورت نے والی مدینہ مروان بن الحکم کے پاس شکایت کی کہ سعیدؓ بن زید نے اس کی زمین کا کچھ حصہ دبا لیا ہے۔ مروان نے ان کو طلب کر کے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا۔

حضرت سعیدؓ نے نواح مدینہ میں عقیق کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس جگہ انہوں نے باختلاف روایت 50ھ، 51ھ یا 52ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعدؓ اور ابن عمرؓ قبر میں اترے اور اسلام کے اس مہر درخشاں کو سپرد خاک کر دیا۔

بخاری کتاب المناقب)

حضرت سعیدؓ نے نواح مدینہ میں عقیق کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس جگہ انہوں نے باختلاف روایت 50ھ، 51ھ یا 52ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعدؓ اور ابن عمرؓ قبر میں اترے اور اسلام کے اس مہر درخشاں کو سپرد خاک کر دیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعیدؓ نے کوفہ میں (بعہد حکومت حضرت امیر معاویہؓ) وفات پائی اور والی کوفہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن ابن سعدؒ اور کئی دوسرے اہل سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وفات کے وقت حضرت سعیدؓ کی عمر 70 یا 73 برس کی تھی لیکن روایت کی رو سے ان کی عمر اسی برس کے لگ بھگ ٹھہرتی ہے کیونکہ 6ھ نبوت میں حضرت عمر فاروقؓ اسلام لائے تو حضرت سعیدؓ کی بھرپور جوانی تھی اور ان کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے والد زیدؒ کو بھی اچھی طرح دیکھا تھا جو بعثت نبوی سے پانچ سال قبل قتل ہوئے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر دس گیارہ برس سے کم نہیں ہوگی اور 6ھ نبوت میں بیس بائیس برس کے پیٹے میں ہوں گے اس حساب سے وفات کے وقت ان کی عمر اسی برس سے کچھ کم یا زیادہ تو ہو سکتی ہے ستر برس کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

حضرت سعیدؓ بن زید کا شمار ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جن کو رحمت عالم ﷺ نے خاص طور پر نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی، یہ اصحاب ''عشرہ مبشرہ'' کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہیں۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت سعیدؓ بن زید ان صحابہ میں سے تھے جو صف قتال میں نبی ﷺ کے آگے اور صف نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے (یعنی قریب تر) رہا کرتے تھے۔

اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کی بدولت حضرت سعیدؓ کو ''مستجاب الدعوات'' کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امام مسلمؒ، حافظ بن حجرؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اروٰی بن اویس نامی ایک عورت نے والی مدینہ مروان بن الحکم کے پاس شکایت کی کہ سعیدؓ بن زید نے اس کی زمین کا کچھ حصہ دبا لیا ہے۔ مروان نے ان کو طلب کر کے حقیقت حال دریافت کی تو فرمایا۔

''تم میری نسبت گمان کرتے ہو کہ میں نے اس کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر لیا ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا۔ قیامت کے دن اس کو (ویسی) سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''

مروان نے ان سے قسم کھانے کو کہا تو وہ اس زمین سے دستبردار ہو گئے لیکن دل گرفتگی کے عالم میں منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔

''الٰہی اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں موت دے (یا اسے اس کے گھر کے کنوئیں میں گرا دے) اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کر دے۔''

خدا کی قدرت کچھ عرصہ بعد اروٰی کی بینائی زائل ہو گئی اور پھر ایک دن وہ اسی حالت میں اپنے گھر کے کنوئیں میں گر کر مر گئی۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں یہ ضرب المثل بن گئی۔

''خدا تجھے اندھا کرے جیسا کہ اروٰی کو اندھا کیا)

حضرت سعیدؓ کا ایک خاص وصف حق گوئی تھا۔ ایک مرتبہ وہ جامع کوفہ میں والی کوفہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کچھ نامناسب الفاظ کہے حضرت سعید تڑپ اٹھے اور فرمایا۔

''مغیرہ، مغیرہ لوگ تمہارے سامنے اصحاب رسول ﷺ کو برا بھلا کہتے ہیں اور تم ان کو نہیں روکتے۔ علیؓ ان لوگوں میں جن کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔''

حب رسول ﷺ، شوق جہاد، زہد و تقویٰ، ایثار و اخلاص اور خشیت الٰہی حضرت سعیدؓ بن زید کے چمن اخلاق کے سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ''سعیدؓ بن زید کا دامن عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ اتباع رسول ﷺ میں کوشاں رہتے تھے۔

حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات میں شادیاں کیں، جن سے کثیر اولاد ہوئی۔ اہل سیر نے ان کے چودہ لڑکوں اور بیس لڑکیوں کے نام صراحت سے لکھے ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سعیدؓ بن زید طویل القامت گندم گوں تھے اور ان کے سر پر لمبے اور گھنے بال تھے۔

حب رسول ﷺ، شوق جہاد، زہد و تقویٰ، ایثار و اخلاص اور خشیت الٰہی حضرت سعیدؓ بن زید کے چمن اخلاق کے سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ''سعیدؓ بن زید کا دامن عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ اتباع رسول ﷺ میں کوشاں رہتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی باکمال سخاوت و دریادلی

قرآن کریم کے واقعات میں سے سب سے اچھا واقعہ قارئین کے لئے خصوصی پیش کیا جارہا ہے

اگر ہم کو مستقبل کی طرف قدم بڑھانا ہے تو ماضی سے سبق حاصل کرنا ہوگا........ ماضی کے سبق آموز واقعات دہرانے ہوں گے........ یہ تصور کہ صرف اللہ کا ذکر اور کسی کا ذکر نہ کرو، قرآنی تصور نہیں........ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے محبوبوں اور پیاروں کا کس محبت سے ذکر کیا ہے........ اگر اللہ کو صرف اپنا ہی ذکر کرانا مقصود ہوتا تو نبیوں، رسولوں اور اولیاء اللہ کا کیوں ذکر فرماتا؟........ سارے قرآن میں صرف اللہ کا ذکر ہوتا........ اور حضور انور ﷺ سے یہ کیوں فرماتا۔

ترجمہ ''یہ سب رسولوں کے قصے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تمہارا دل مضبوط کریں'' (القرآن)

تو محبوبوں کا ذکر کرنا اللہ کی سنت ہے جو محبوبوں کے ذکر سے روکتا ہے وہ اللہ کی سنت سے روکتا ہے، جو محبوبوں کے ذکر سے روکتا ہے، وہ دلوں کو کمزور کرنا چاہتا ہے، کیونکہ ان کے ذکر سے دل مضبوط ہوتے ہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے دلوں کو کمزور کرے (معاذ اللہ)........ فرد کمزور ہوگا تو ملت کمزور ہوگی اور ملت کمزور ہوگی تو سلطنت و حکومت کمزور ہوگی، یہ منظر آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں........ مسلمانوں کی بیسیوں سلطنتیں ہیں مگر ایک سے ایک کمزور........ جب ہم تعداد میں تھوڑے تھے اور دل مضبوط تھے تو ساری دنیا میں حکومت کررہے تھے اور اب جبکہ ہم تعداد میں بہت ہیں، مگر دل کمزور ہیں، باوجود حکومت و سلطنت کے ذلیل و خوار ہورہے ہیں........ ہمارا علاج باطن کی اصلاح میں ہے اور باطن کی اصلاح اللہ اور اللہ کے محبوبوں کے ذکر سے ہوتی ہے، دلوں کو قوت انہیں کو یاد کرنے سے ملتی ہے، کیونکہ اللہ نے ان کو مسلمانوں کے لئے نمونہ بنایا ہے........ اللہ کو نہ کسی نے دیکھا اور نہ دیکھنے کی تاب اور دیکھے بغیر انسان بنتا نہیں سنورتا نہیں، اللہ نے اپنے محبوبوں کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور انہیں کی راہوں پر چلنے کا حکم دیا۔

ترجمہ ''چلا ہم کو سیدھی راہ، ان کی راہ جن پر تو نے انعام کیا''

اور انہیں کی راہوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ قرار دیا

ترجمہ ''اور بے شک یہ میری راہ سیدھی راہ ہے، اس پر چلو اور راہوں پر نہ چلو کہ تم کو راہ سے بے راہ کردیں گی''

اس لئے یہ بات دل میں بٹھا لینی چاہئے کہ اللہ کے نبیوں، اللہ کے رسولوں، اللہ کے ولیوں اور سب کے محبوب و مطلوب حضور انور ﷺ کو چھوڑ کر ہم اللہ کو نہیں پاسکتے، کیونکہ ان کو چھوڑنا، اللہ کے حکم کو نہ ماننا اور اللہ کے حکم سے سرتابی کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا

ترجمہ ''اور اللہ سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے اور بعض کی طرف صرف اشارہ فرمایا، یہ اس لئے کہ ہم سبق حاصل کریں اور اپنے دلوں کو مضبوط کریں اور اللہ کو یاد کریں ساری بات دماغ کی نہیں، دل کی ہے، دل والوں نے ماضی میں کیا کیا؟........ دماغ والے حال میں کیا کررہے ہیں؟........ آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں........ قرآن کریم کے واقعات میں سب سے اچھا اور سب سے خوبصورت واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔

ترجمہ ''ہم تمہیں سب سے زیادہ خوبصورت قصہ سناتے ہیں۔''

اس میں زندگی کے لئے بہت سی کام کی باتیں ہیں، اس سے اللہ کے محبوبوں کی شان بھی معلوم ہوتی ہے جن سے ہم کو دور کیا جارہا ہے، جن سے ہم اپنی نادانی کی وجہ سے دور ہورہے ہیں........ قریب ہوں تو زندگی بن جائے اور سنور جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے تھے........ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی ماموں کی بیٹی لیا بنت لیان سے پہلی شادی کی جن سے یہ چھ بیٹے ہوئے، روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، زبولون اور آپ کی دو کنیزیں بھی تھیں زلفا اور بلہہ ان سے چار بیٹے ہوئے وان، تفتونا، جاد اور اوشیر........ حضرت یعقوبؑ نے لیا کے انتقال کے بعد اپنی سالی راحیل سے نکاح کیا، ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے حضرت یوسفؑ اور بن یامین۔ حضرت یعقوبؑ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی ہوئی وہ سب اولاد یعقوب میں داخل ہیں۔ بخاری شریف میں حضور ﷺ نے حضرت یوسفؑ کے لئے فرمایا۔ الکریم ابن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔

> اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے اور بعض کی طرف صرف اشارہ فرمایا، یہ اس لئے کہ ہم سبق حاصل کریں اور اپنے دلوں کو مضبوط کریں اور اللہ کو یاد کریں ساری بات دماغ کی نہیں، دل کی ہے، دل والوں نے ماضی میں کیا کیا؟........ دماغ والے حال میں کیا کررہے ہیں؟........ آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں........ قرآن کریم کے واقعات میں سب سے اچھا اور سب سے خوبصورت واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔

حضرت یوسف کی والدہ راحیل، بنیامین کی پیدائش کے چالیس دن بعد انتقال فرما گئی تھیں۔ اس لئے حضرت یعقوبؑ ان دونوں بیٹوں سے زیادہ پیار کرتے تھے کیونکہ چھوٹے چھوٹے بن ماں کے بچے تھے، حضرت یوسفؑ سے زیادہ محبت تھی کہ ان میں آپ کو آثار نبوت و رسالت بھی نظر آرہے تھے۔ اس محبت کی وجہ سے حضرت یوسفؑ کے دوسرے بھائیوں کو بہت جلن تھی......... بالعموم بڑی ماں کے بیٹوں کو چھوٹی ماں کے بیٹوں سے جلن ہوتی ہے کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ بھائیوں کو حسد اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ کثرت میں تھے شاید کما کر لاتے ہوں گے، جو کمائی کر کے لاتا ہے اس بیٹے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ والدین بہ نسبت اس بیٹے کے جو گھر میں رہے، کام کاج نہ کرے، اس سے زیادہ محبت کریں، مگر حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور بنیامین سے زیادہ محبت کرتے تھے یہ دیکھ دیکھ کر بھائی اور جلتے تھے۔ لڑکپن کے اس زمانے میں حضرت یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا جو اپنے والد ماجد حضرت یعقوبؑ سے بیان فرمایا۔

اباجان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے سورج اور چاند دیکھیں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں''

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ''میرے بیٹے! اپنا یہ خواب بھائیوں سے نہ کہنا۔ کہیں شیطان ان کو بہکا نہ دے اور وہ تمہارے ساتھ کوئی چال چلیں۔ بیشک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔

خواب سن کر حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی مستقبل کی ترقیوں اور بلندیوں کا اندازہ ہوگیا تھا، چنانچہ بھائیوں کو یہ خوبی بتانے سے منع فرمادیا......... اس خواب کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان خوشخبریوں سے نوازا

ترجمہ

''اور اسی طرح تجھے تیرا رب چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور یعقوب کے گھر والوں پر جس طرح تیرے پہلے دونوں باپ، دادا، ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی، بیشک تیرا رب علم و حکمت والا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خواب کی بھنک بڑے بھائیوں کے کان میں پڑگئی۔ حضرت یوسف نے صبح اپنے والد صاحب سے خواب بیان فرمایا تو سوتیلے بھائی موجود نہ تھے، شاید اپنے کام پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے جب یہ فرمایا کہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا تو، حضرت یوسف کی بھابیوں نے یہ بات سن لی اور بھائی جب اپنے اپنے کاموں سے واپس آئے تو انہوں نے یہ خواب ان سے کہہ دیا۔ حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی چنانچہ برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل اور ملک بدری کا منصوبہ بنایا۔

ترجمہ

''جب بھائیوں نے کہا کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ کھلم کھلا ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں، یوسف کو مار دو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔ ان بھائیوں میں ایک بھائی نے کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو یوسف کو مارو نہیں، اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا اسے آکر لے جائے۔

اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو سیر و تفریح کے بہانے اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔

ترجمہ:

'' کہنے لگے، ابا جان! آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں، کل سے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، میوے کھائے اور کھیلے، بیشک ہم اس کے نگہبان ہیں۔''

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا

''تم یوسف کو لے جاؤ گے تو مجھے فکر لگی رہے گی اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے اور تم کو پتا بھی نہ چلے۔''

برادران یوسف نے جواب دیا

''یوسف کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم اتنے سارے بھائی کس مصرف کے ہیں؟''

چنانچہ بھائیوں کے اصرار کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ نے اجازت دے دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ روانگی سے قبل حضرت یعقوبؑ نے جنت کی وہ معجزاتی ریشمی قمیض تعویذ بنا کر آپ کے گلے میں ڈال دی جو آگ میں ڈالنے سے قبل حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائی تھی اور جو تبرکاً آپ کے خاندان میں محفوظ چلی آرہی تھی تاکہ نقصان سے محفوظ رہیں......... جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلنے لگے تو حضرت یعقوبؑ بھائیوں کے ساتھ شہر کنعان کے دروازے پر ''شجراۃ الوداع'' تک تشریف لائے اور حضرت یوسفؑ کو الوداع کہا......... غالباً آپ کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جدائی کی گھڑی آنے والی ہے ورنہ سیر کے لئے جانے والے بچوں کو رخصت کرنے کے لئے کوئی باپ نہیں جاتا۔ بہر حال حضرت یعقوبؑ سے اجازت لے کر یہ سب بھائی حضرت یوسفؑ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ آپ کے سب سے چھوٹے بھائی بنیامین غالباً اس لئے نہ گئے کہ وہ بہت چھوٹے تھے اور حضرت یوسف بارہ تیرہ سال کے تھے......... بھائیوں نے گھر سے دور ہوتے ہی دل کی بھڑاس نکالی اور حضرت یوسفؑ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا، ایک بھائی مارتا دوسرے بھائی سے فریاد کرتے وہ بھی مارتا......... بھائی مار پیٹ کر دل کی بھڑاس نکالتے رہے۔ جب بڑے بھائی یہودا یا روبیل نے یہ دیکھا تو اس کو بہت ترس آیا، اس نے سختی سے منع کیا اور کہا کہ کیا یہ طے نہ پایا تھا کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے گا، قتل نہیں کیا جائے گا، کچھ کرنا ہی ہے تو یوسف کو کنوئیں میں ڈال دو، کوئی قافلہ والا یہاں سے پانی بھرے گا تو اس کو یہاں سے نکال کر لے جائے گا، تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا، باپ کی نظروں سے بہت دور دور دراز ملکوں میں چلا جائے گا......... برادران یوسف کو حضرت یوسف سے حسد تھا اور یہ تمنا تھی کی محبت یعقوبؑ کی نعمت حضرت یوسفؑ کے حق میں زائل ہو کر ان کو مل جائے......... شریعت میں حسد کی سخت ممانعت ہے ہاں اس کی اجازت ضرور ہے کہ دوسرے کی نعمت کی آرزو کئے بغیر اپنے لئے وہی نعمت چاہے جو اس کو ملی ہوئی ہے۔ اس کو غبطہ کہتے ہیں جس کو اردو میں رشک کہتے ہیں۔

بہر حال جب یہ طے پایا کہ حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال دیا جائے

ترجمہ:

''پھر جب اسے لے گئے اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دیں ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتادے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔''

تو بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پیر باندھ دیئے کہیں کسی طرح آپ کنوئیں سے باہر نہ آجائیں پھر آپ کو کنوئیں میں لٹکایا اور جب آدھا فاصلہ رہ گیا تو کنوئیں میں چھوڑ دیا......... یہ کنواں کنعان سے تین فرلانگ کے فاصلے پر مضافات بیت المقدس یا اردن میں واقع تھا، منہ تنگ تھا اور اندر سے فراخ تھا......... بہر حال جب آپ کو اس کنوئیں میں ڈالا گیا تو خدا کے حکم سے حضرت جبرئیل نے آپ کو کنوئیں کے ایک پتھر پر بٹھا دیا اور جنتی ریشمی کرتا جو آپ کے گلے میں ڈالا ہوا تھا کھول کر پہنا دیا......... یہ کرتا حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسحاقؑ کے پاس آیا اور حضرت اسحاقؑ سے حضرت یعقوبؑ کے پاس آیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت یعقوبؑ نے گھر سے چلتے وقت تعویذ بنا کر حضرت یوسفؑ کے

گلے میں ڈال دیا تھا۔

برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کا اپنا کرتا کنوئیں میں ڈالنے سے پہلے ہی اتار لیا تھا، اس کو بکری کے خون میں لت پت کر کے روتے پیٹتے اور دھاڑیں مارتے حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ترجمہ:

''اور رات ہوتے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے بولے اے ہمارے باپ! ہم دوڑتے نکل گئے یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں اور اس کے کرتے پر ایک جھوٹا خون لگا لائے، (یعقوب) نے کہا کہ بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے واسطے بنالی ہے''

کرتا خون آلود ضرور تھا لیکن پھٹا ہوا نہیں تھا، اگر بھیڑیا پھاڑ کھاتا تو کرتا کیوں چھوڑتا، یہ دیکھ کر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تمہارے دلوں نے یہ بات بنالی ہے......... وہ کہنے لگے ہم اگر سچے بھی ہوں تب بھی آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے......... بہرحال حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی شہادت کی خبر سن کر کمال صبر فرمایا، جو انبیاء علیہم السلام کے شایان شان ہے، فرمایا ''صبر ہی اچھا ہے جو تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں'' حضرت یعقوبؑ نے بنیامین کی جدائی پر بھی صبر فرمایا اور اس وقت بھی یہی فرمایا ''تو اچھا صبر ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب سے مجھے لا ملائے گا''......... حقیقت میں عین مصیبت کے وقت صبر کرنا ہی صبر ہے ورنہ مصیبت پر تو رفتہ رفتہ صبر آ ہی جاتا ہے۔

برادران یوسف حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے انہوں نے ایسے کنوئیں میں ڈالا جو کسی قافلہ کی گزرگاہ پر بھی نہ تھا۔ اس کے باوجود نگرانی کرتے رہے کہیں کوئی آدمی ادھر آ نہ نکلے اور ترس کھا کر حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے باہر نہ نکال دے......... حضرت یوسفؑ تین دن تین رات اس کنوئیں میں رہے، تین دن کے بعد ایک قافلہ مدین سے مصر جا رہا تھا بھول کر ادھر آ نکلا اور یہاں پڑاؤ ڈالا۔

ترجمہ:

''اور ایک قافلہ آیا، انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا، بولا آہا! کیسی خوشی کی بات ہے، یہ ایک لڑکا ہے اور اسے ایک پونجی بنا کر چھپا لیا اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں میں بیچ ڈالا اور انہیں اس (سودے) میں کچھ رغبت نہ تھی۔

قافلہ والے وارد (پانی بھرنے والے) مالک بن دعر الخزاعی نے جب پانی بھرنے کے لئے ڈول کنوئیں میں ڈالا تو حضرت یوسفؑ نے بحکم الٰہی ڈول پکڑ لیا اور اس میں بیٹھ گئے، ڈول بھاری ہو گیا، پانی بھرنے والے نے جب جھانک کر دیکھا تو حضرت یوسفؑ اس میں بیٹھے تھے، وہ آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا، خوشی سے پھولا نہ سمایا اور چیخ اٹھا ''اے قافلے والوں خوشخبری ہو یہ خوبصورت لڑکا ہاتھ آیا ہے'' برادران یوسف میں کوئی دور سے نگرانی کر رہا تھا جب

وزیر اعظم قطفیر (عزیز مصر) نے قیافہ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ حضرت یوسفؑ مستقبل میں ایک عظیم شخصیت بن کر ابھرنے والے ہیں، پھر وہ لاولد تھا، یہ خیال آیا ہوگا کہ مستقبل میں آپ اس کے جانشین ہوں گے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت یوسفؑ کو مصر میں جمایا، نبوت رسالت عطا فرما کر معجزات سے سرفراز فرمایا اور حکومت سلطنت سے نواز کر مصر کا بادشاہ بنایا۔

آپ کو نکالا گیا تو وہ بھائی قافلے والوں کے پاس دوڑ کر آیا اور عربی زبان میں حضرت یوسفؑ کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور قافلہ والوں سے کہا ''یہ ہمارا غلام ہے اور بھاگ کر آیا ہے کنوئیں میں چھپ گیا، بہت نکما ہے، کسی کام کا نہیں، اگر تم چاہو تو ہم سے خرید لو''......... بہرحال حضرت یوسفؑ کے بھائی نے حضرت یوسفؑ جیسے متاع عزیز کو اونے پونے بیچ دیا......... جس شخص کے ہاتھ حضرت یوسفؑ کو بیچا گیا اس کا نام مالک بن دعر الخزاعی تھا اسی نے آپ کو گراں قیمت پر عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور عزیز مصر نے نہایت ہی گراں قیمت پر خریدا تھا......... اس سے معلوم ہوا کہ کوئی متاع اپنی حقیقی قیمت ساتھ نہیں رکھتی، اس کا اختیار اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا۔

''ہر چیز کا نرخ اور قیمت اللہ کے اختیار میں ہے اس میں کسی کا اختیار نہیں چلتا۔''

جب یہ قافلہ مصر پہنچا تو مالک بن دعر الخزاعی حضرت یوسفؑ کو بیچنے کے لئے (شاید اس زمانے میں غلاموں کی خرید فروخت ہوتی تھی) مصر کے بازار میں لایا، آپ کا چہرہ مہرہ اور رنگ و روپ دیکھ کر گاہکوں کا ہجوم ہو گیا، دام بڑھنے لگے، مصر کے وزیر اعظم قطفیر مصری (جس کو عزیز مصر کہتے تھے اور جس کے تصرف میں شاہ مصر ریان بن ولید عملیقی نے ملک کے سارے خزانے دے دیئے تھے) بھی ادھر آ نکلا، دام بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچے۔

(1) آپ کے وزن کے برابر سونا

(2) آپ کے وزن کے برابر چاندی

(3) آپ کے وزن کے برابر مشک

(4) آپ کے وزن کے برابر حریر (یعنی قیمتی ریشمی کپڑا)

آخری قیمت یہی ٹھہری، آپ کا وزن چار سو رطل تھا (یعنی ایک من سے کچھ زیادہ) اور عمر شریف بارہ تیرہ سال کی تھی......... اس گراں قیمت پر کوئی خریدار نہ خرید سکا چنانچہ وزیر اعظم مصر نے اس قیمت پر آپ کو خرید لیا اور اپنے گھر لے آیا اور اپنی بیوی زلیخا (راعیل) سے کہا

ترجمہ:

''اور مصر کے جس شخص (قطفیر عزیز مصر) نے اسے خریدا وہ اپنی عورت سے کہنے لگا انہیں عزت سے رکھو، شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے یا ان کو ہم بیٹا بنالیں''۔

وزیر اعظم قطفیر (عزیز مصر) نے قیافہ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ حضرت یوسفؑ مستقبل میں ایک عظیم شخصیت بن کر ابھرنے والے ہیں، پھر وہ لاولد تھا، یہ خیال آیا ہوگا کہ مستقبل میں آپ اس کے جانشین ہوں گے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت یوسفؑ کو مصر میں جمایا، نبوت رسالت عطا فرما کر معجزات سے سرفراز فرمایا اور حکومت سلطنت سے نواز کر مصر کا بادشاہ بنایا۔

ترجمہ:

''اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین جماؤ دیا اور اس لئے کہ اسے باتوں کا انجام سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنعان سے مصر لے جایا جانا اور فروخت ہونا مصر میں آپ کے جماؤ کا ایک بہانہ تھا۔

ترجمہ:

''اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا، ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو''

یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا، یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ کو خوابوں کی تعبیر کا معجزہ عطا کیا گیا، یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ کو علم غیب سے نوازا گیا، یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ کو ملک کے خزانوں کا مالک بنایا گیا، یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ کے سر مبارک پر تاج شاہی رکھا گیا اور تمام مصریوں کو آپ کا غلام بنا دیا گیا، یہ ہی وہ شہر ہے جہاں آپ نے وصال فرمایا۔

حضرت یوسف بہت ہی حسین و جمیل تھے حضور انور ﷺ نے آپ کے حسن کی تعریف فرمائی اور فرمایا۔

''اوروں کا حسن مثل ستاروں کے ہے، اور یوسف کا حسن مثل چاند کے ہے''

ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔

''میرے بھائی یوسف زیادہ صباحت والے ہیں اور میں زیادہ ملاحت والا ہوں''

اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو تیسرے آسمان پر حضرت یوسف نظر آئے چنانچہ آپ نے فرمایا تمام دنیا کے حسن جمال میں سے حسن و جمال کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور تھے اور حضور اکرم ﷺ اللہ کے نور ہیں......... حضرت یوسف زنان مصر اور اہل مصر کے محبوب تھے......... اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو اپنا محبوب بنا کر ساری مخلوق پر آپ کی محبت و الفت کو فرض کر دیا جس پر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 20 گواہ ہے، یہ ہی نہیں بلکہ آپ کی اطاعت کرنے والے کو اپنا محبوب بنایا اور اطاعت کو شرط محبت قرار دیا......... حضرت عائشہؓ حضور انور ﷺ کی اس محبوبیت پر نازاں تھیں، آپ فرماتی ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے حسن پر تو مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے، میرے یوسف کو دیکھو جس کے حسن و جمال پر عرب

حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور تھے اور حضور اکرم ﷺ اللہ کے نور ہیں......... حضرت یوسفؑ زنان مصر اور اہل مصر کے محبوب تھے......... اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو اپنا محبوب بنا کر ساری مخلوق پر آپ کی محبت و الفت کو فرض کر دیا جس پر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 20 گواہ ہے، یہ ہی نہیں بلکہ آپ کی اطاعت کرنے والے کو اپنا محبوب بنایا اور اطاعت کو شرط محبت قرار دیا......... حضرت عائشہؓ حضور انور ﷺ کی اس محبوبیت پر نازاں تھیں، آپ فرماتی ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے حسن پر تو مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے، میرے یوسف کو دیکھو جس کے حسن و جمال پر عرب کے جوان اپنی گردنیں کٹوا رہے ہیں۔

کے جوان اپنی گردنیں کٹوا رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔'' حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اس جہاں کی خلقت اور حسن و جمال کی قسم میں نہیں ہے ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کے حسن سے ہے۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں '' حضرت یوسف اس صباحت اور حسن و جمال کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوبؑ کے محبوب ہوئے لیکن ہمارے پیغمبر ﷺ اس ملاحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے خالق ارض و سما کے محبوب ہوئے اور زمین و آسمان کو آپ کے طفیل پیدا کیا گیا۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ''اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف کے لئے مسلم ہے باقی تہائی حصہ سب میں تقسیم ہوا ہے لیکن اس عالم میں حسن صرف حسن محمدی ﷺ ہے اور جمال بھی صرف جمال محمدی ﷺ ہے کیونکہ آپ محبوب خدا جل سلطانہ ہیں۔ دوسرے حسینوں کو آپ کے حسن سے کیا نسبت؟''

یہی حسن و جمال تھا جس کی وجہ سے ایک روایت کے مطابق حضرت یوسف اکثر اپنے منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے تاکہ غیر عورتوں کی بدنگاہی سے محفوظ رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کی بدنگاہی، بدنگاہ کو تو متاثر کرتی ہی ہے لیکن نیک انسان پر بھی اثر انداز ہوتی ہے......... خواتین کے پردے کے حکم میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ وہ بدنگاہی سے محفوظ رہیں......... ان کا حسن و جمال، عفت و عصمت بھی محفوظ رہیں، خود بھی محفوظ رہیں اور دوسرے بھی محفوظ رہیں۔

آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسا حسین و جمیل انسان جب کسی کے سامنے آیا ہو گا تو اس کے دل پر کیا گزری ہو گی......... عزیز مصر عورتوں سے رغبت نہ رکھتا تھا اس کی بیوی زلیخا (راعیل) نے آپ کے دل کو لبھایا مگر آپ نے شباب و جوانی اور تنہائی کے باوجود اس کی طرف ایک آن نہ دیکھا، خدا کی پناہ مانگی اور اللہ کے حکم سے خود کو محفوظ رکھا اور اپنے کردار کی عظمت سے دنیا کے نوجوانوں کو ایک عظیم سبق عطا فرمایا۔

ترجمہ:

''اور جس عورت کے گھر میں تھا نے اسے لبھایا کہ اپنے آپا نہ روکے اور دروازے بند کر دیے اور بولی'' آؤ تمہیں سے کہتی ہوں'' .... (یوسف نے) کہا اللہ کی پناہ عزیز تو میرا مربی ہے، اس نے مجھے اچھی طرح رکھا، بیشک ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا۔''

انسان اپنے نفس پر قابو پالے تو جہاں پر غالب آ سکتا ہے، قابو نہ پا سکے تو سارے جہاں کا مظلوم و محکوم بن جاتا ہے۔ آزادی و غلام کا راز خود اسی کے اندر پوشیدہ ہے۔ حضرت یوسف نے خود اپنے اوپر قابو پالیا۔ حسین و جمیل مصری عورتوں کو نظر بھر کے بھی نہ دیکھا، خلوتوں اور تنہائیوں کے باوجود زلیخا سے اپنا دامن بچالیا......... اللہ نے اس کا صلہ یہ دیا کہ غلام سے آقا بنا دیا، مصر کا بادشاہ بنا کر سارے مصریوں کو آپ کا غلام بنا دیا (اللہ اکبر) کہاں وہ تنہائیوں کی پاسداریاں کہاں یہ جلوتوں کی حکمرانیاں؟.........

کردار بلند ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور بلندیاں قدم چوم لیتی ہیں......... عین وقت پر حضرت یوسف نے اللہ کی برہان، ملاحظہ کی......... قران سے قران کی تفسیر کی جائے تو آپ نے حضور اکرم ﷺ کا جمال جہان آراء دیکھا کیونکہ آپ ہی برہان رب ہیں (سورہ نساء آیت نمبر 175) قرآن نے یہی فرمایا کہ عین وقت پر ''برہان رب'' کا مشاہدہ فرمایا۔

ترجمہ:

''بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا (تقاضائے نفس) اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا (تقاضائے عصمت) اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا، ہم نے یوں ہی کیا اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں، بیشک جو ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے''

حضور اکرم ﷺ کے صدقے میں حضرت آدمؑ کو معافی ملی اور دوسرے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بلاؤں سے نجات ملی......... قدرت نہ پانا بھی برہان رب کہا جا سکتا ہے......... بحکم الٰہی عین وقت پر حضرت یوسفؑ نے کردار کی بے مثال پختگی کا مظاہرہ فرمایا......... کردار پختہ ہو تو انسان پختہ ہوتا ہے......... دانائی اور حکمت بھی اس پختگی کے تابع ہیں......... انسان پختہ ہو تو معاشرہ پختہ ہوتا ہے اور حکومت مضبوط ہوتی ہے......... کردار ناپختہ ہو تو انسان ناپختہ ہوتا ہے......... انسان ناپختہ ہو تو معاشرہ ناپختہ ہوتا ہے، سلطنت کمزور ہوتی ہے، اور رعیت پریشان حال......... ساری بات

انسان کی ہے۔...... حضرت یوسف نے جس پختہ کردار کا مظاہرہ فرمایا، اس کی گواہی خود زلیخا اور راء وشرفاء مصر کی بیگمات نے دی...... اور خواتین سے بڑھ کر مرد کی عصمت و پاکدامنی کی گواہی کس کی ہو سکتی ہے؟...... حضرت یوسف کا پختہ کردار ہر انسان کے لئے نمونہ ہے، یہ نمونہ ایسا چمک رہا ہے جیسا اندھیری رات میں چاند چمکتا ہے۔ ہم جدید تہذیب پر ناز کرتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم عظیم تہذیبیں جنم لے لے کر اللہ کی نافرمانیوں کے نذر ہو گئیں...... سب سے بہتر تہذیب، تہذیب نفس ہے، حضورﷺ نے اس طرف توجہ فرمائی اور ایک عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی جس سے انسانیت کو سکھ ملا، چین ملا...... بے شک کردار مضبوط ہو تو انسان غلامی سے شاہی کی طرف سفر کرتا ہے، کردار کمزور ہو تو شاہی سے غلامی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ہاں تو ذکر تھا حضرت یوسف کی کردار کی پختگی اور زلیخا کی دعوت گناہ کا...... سات مقفل کمروں میں، ساتوں کمروں کی تنہائیوں میں اللہ نے بچایا......

حضرت یوسف گناہ سے منہ موڑ کر چلے تو خدا کی شان مقفل دروازے کھلتے چلے گئے...... پیچھے پیچھے زلیخا اور آگے آگے حضرت یوسف...... آخری کمرے سے نکلے تو اچانک عزیز مصر مکان میں داخل ہوا، دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی، زلیخا نے خود کو سنبھالا اچانک بات پلٹی اور بولی

ترجمہ:

''اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے چیر دیا اور دونوں کو عورت (زلیخا) کا خاوند (عزیز مصر) دروازے کے پاس ملا، کہنے لگی کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری بیوی سے بدی چاہی؟...... اس کو قید کیا جائے یا دکھ کی مار ماری جائے۔''

حضرت یوسف نے یہ الزام قبول کرنے سے انکار فرمایا مگر وزیر اعظم کی بیگم کے سامنے غلام کی بات کون سنتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اس الزام سے اپنی برات کی بات کی تو وزیر اعظم مصر نے پوچھا کہ کس طرح یقین کر لیا جائے تم خطا کار نہیں ہو، آپ نے فرمایا کہ ''یہ چار ماہ کا بچہ جو جھولے میں لیٹا ہوا ہے یہ میری عصمت کی گواہی دے گا'' وزیر اعظم نے کہا کہ ''تم مذاق کر رہے ہو'' آپ نے فرمایا، پوچھ کے دیکھ لو'' اللہ قادر ہے کہ وہ اس کو بات کرنے والا بنا دے اور یہ میری بے گناہی کی گواہی دے دے'' وزیر اعظم مصر نے بچہ سے پوچھا تو وہ فوراً بول اٹھا۔

ترجمہ:

(یوسف نے) کہا اس نے مجھ کو بھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورتوں کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اگر ان کا کرتا آگے سے چرا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا اور اگر ان کا کرتا پیچھے چاک ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے، پھر جب عزیز مصر نے اس کا کرتا پیچھے سے چرا ہوا دیکھا بولا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے بیشک تمہارا چرتر بڑا ہے۔ (پھر یوسف سے کہا) تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بیشک تو خطا کاروں میں ہے۔''

...... سننے والے حیران رہ گئے...... حضور انورﷺ کے حکم سے کنکریوں نے کلمہ پڑھا اور بھیڑیے نے حضورﷺ کی رسالت کی گواہی دی...... ایسا ہی ایک معجزہ حضرت مریم علیہ السلام کے لئے ظاہر ہوا حضرت عیسیٰ نے گہوارے میں حضرت مریمؑ کی عصمت کی گواہی دی اور مستقبل میں ہونے والی بہت سی باتوں سے پردہ اٹھایا...... اللہ تعالی اپنے پیاروں کی شان دکھانے کے لئے ایسے ہی معجزات دکھاتا ہے...... حضرت ابراہیمؑ جس پتھر پر کھڑے خانہ کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے، وہ پتھر جدھر آپ جاتے آپ کے ساتھ ساتھ چلتا، اوپر نیچے، دائیں، بائیں...... آج وہ پتھر باب کعبہ کے سامنے یادگار ہے...... حضرت موسیٰ نے پتھر پر عصا مارا تو چشمے پھوٹ نکلے، دریا میں عصا مارا تو دائیں بائیں پانی کھڑا ہو گیا، شاہراہ بن گئی اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ چلتے گئے، فرعون اور اس کا لشکر ڈوب گیا......

حضرت ایوبؑ نے پیر مارا تو زمین سے ٹھنڈا میٹھا پانی ابل پڑا، پانی پیا اور نہائے تو برسوں کا مرض جاتا رہا، صحت مند و تندرست ہو گئے...... حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ کر دیا، اندھوں کو بینا کر دیا اور لاعلاج مریضوں کو اچھا کر دیا۔ مٹی کے پرند پر پھونک ماری تو دوڑتے چلے آئے اللہ اکبر...... ان عجائبات و معجزات کے ظہور کے لئے اپنے پیاروں کا انتخاب کیا...... پیاروں کی بات بہت اونچی ہے...... اللہ تعالی پیاروں کی بات اونچی کرے اور ہم نیچی کریں کیسی بدبختی اور بدنصیبی ہے...... اگر حضرت یوسف کے حق میں بڑے سے بڑا بھی کوئی گواہی دیتا تو کون مانتا، پھر ایسا رشتہ دار آتا بھی کہاں سے جو وزیر اعظم کی بیگم کے خلاف غلام کے حق میں گواہی دیتا...... بات وزیر اعظم کی بیگم کی تھی کسی عام عورت کی نہ تھی...... یہ بچہ جس نے حضرت یوسف کے حق میں گواہی دی زلیخا کے ماموں کا چار ماہ کا شیر خوار لڑکا تھا جو شاید پرورش کے لئے زلیخا نے لے لیا ہوگا کہ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی، شادی کے بعد عورتوں میں بالعموم اولاد کی شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عزیز مصر قوت سے محروم تھا اس لئے آئندہ بھی اولاد کی کوئی امید نہ تھی، بچہ سے دو کیل بھی ہو گئی، گھر میں بھی رونق ہو گئی۔ یہی بچہ تھا جو معجزانہ طور پر بول اٹھا اور زلیخا کا منہ بند ہو گیا۔ لیکن عورت تو عورت ہوتی ہے اس لئے اس نے وزیر اعظم کو مجبور کیا کہ اس کی بدنامی کا داغ دھونے کے لئے حضرت یوسف کو کچھ عرصے کے لئے قید کر دیا جائے، مگر بات عام ہو چکی تھی اور وزراء اور افسروں کی بیگمات زلیخا کو طعنے دینے لگی تھیں کہ غلام کو دل دے بیٹھی۔

ترجمہ

''اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز (مصر) کی بیوی نے اپنے نوجوان کا دل لبھاتی ہے، بیشک ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی، ہم تو اسے صریح خود رفتہ پاتے ہیں۔''

زلیخا کے علم میں جب یہ باتیں آئیں تو انہوں نے بیگمات کے لئے دعوت کا اہتمام کیا، مسندیں بچھائیں، تکیہ لگائے، دستر خوان بچھائے، بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے، پھل اور میوے سجائے، تمام بیگمات کو مسندوں پر بٹھایا، گوشت اور پھل کاٹنے کے لئے ہاتھوں میں چھریاں دے دیں یہ بیگمات کھانا شروع کرنے ہی والی تھیں کہ زلیخا نے حضرت

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اس الزام سے اپنی برات کی بات کی تو وزیر اعظم مصر نے پوچھا کہ کس طرح یقین کر لیا جائے تم خطا کار نہیں ہو، آپ نے فرمایا کہ ''یہ چار ماہ کا بچہ جو جھولے میں لیٹا ہوا ہے یہ میری عصمت کی گواہی دے گا'' وزیر اعظم نے کہا کہ ''تم مذاق کر رہے ہو'' آپ نے فرمایا، پوچھ کے دیکھ لو'' اللہ قادر ہے کہ وہ اس کو بات کرنے والا بنا دے اور یہ میری بے گناہی کی گواہی دے دے'' وزیر اعظم مصر نے بچہ سے پوچھا تو وہ فوراً بول اٹھا۔

یوسف کو حکم دیا کہ ان بیگمات کے سامنے آجائیں، جب حضرت یوسف سامنے آئے تو وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں، گوشت اور پھل کاٹنے کے لئے چھریاں کیا چلائیں ہوش و حواس تو پہلے ہی گم تھے اپنے ہی ہاتھ کاٹ ڈالے اور یک زبان کہنے لگیں کہ یہ آدمی نہیں یہ تو دل نواز و مہربان فرشتہ معلوم ہوتا ہے......... زلیخا بیگمات کو یہ بتانا چاہتی تھیں کہ یہ جوان ہی ایسا ہے جو دیکھتا ہے دل دے بیٹھتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟

ترجمہ:

''تو جب زلیخا نے ان کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کیلئے مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف سے کہا ان کے سامنے چلے جاؤ، جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو اس کی خوب تعریف کی اور (مبہوت ہو کر پھلوں کے بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں اللہ کے لئے پاکی ہے، یہ ادمی نہیں یہ تو ایک معزز فرشتہ ہے''

ترجمہ:

زلیخا نے عورتوں سے کہا کہ یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا اور بیشک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں گے''

حضرت یوسف نے زرق برق کپڑوں میں ان بیگمات کو ایک آن نہ دیکھا، نیچے نظریں کئے کھڑے رہے، اس حیرت انگیز شرم و حیاء نے بیگمات کو اور حیرت میں ڈال دیا۔ حضرت یوسف حسن و خوبصورتی میں تو فرشتہ معلوم ہو ہی رہے تھے مگر عفت و عصمت میں بھی آپ فرشتوں سے بڑھ کر نکلے، آپ نے خواتین پر اپنی پاک دامنی کا ایسا سکہ بٹھایا کہ ان کو زندگی بھر یاد رہا۔

زلیخا کی دعوت اور بیگمات کی حرکتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کا معاشرہ کچھ ہمارے معاشرے سے ملتا جلتا تھا جس کو اعلیٰ ترین طبقہ کہا جاتا ہے اس طبقہ میں خواتین کے کرتوت کچھ ایسے ہی سننے میں آتے ہیں چند سال پہلے جب پاکستان میں زنا کے لئے شرعی حدود نافذ کرنے کی باتیں ہونے لگیں تو ایک نواب صاحب کی بیگم نے بیساختہ فرمایا کہ اس طرح تو اعلیٰ طبقہ کی بہت سی خواتین رسوا ہو جائیں گی.........شاید مصر میں بھی اس طرح کا معاشرہ ہو گا مگر کچھ حیا بھی تھی شاید اسی لئے حضرت یوسف کو قید خانے میں ڈالا گیا۔ حضرت یوسف نے دعوت گناہ قبول کرنے کے بجائے قید خانے کو پسند کیا اور دعا فرمائی۔

ترجمہ:

''یوسف نے عرض کی اے میرے رب! مجھے قید خانہ

زلیخا کی دعوت اور بیگمات کی حرکتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کا معاشرہ کچھ ہمارے معاشرے سے ملتا جلتا تھا جس کو اعلیٰ ترین طبقہ کہا جاتا ہے اس طبقہ میں خواتین کے کرتوت کچھ ایسے ہی سننے میں آتے ہیں چند سال پہلے جب پاکستان میں زنا کے لئے شرعی حدود نافذ کرنے کی باتیں ہونے لگیں تو ایک نواب صاحب کی بیگم نے بیساختہ فرمایا کہ اس طرح تو اعلیٰ طبقہ کی بہت سی خواتین رسوا ہو جائیں گی.........شاید مصر میں بھی اس طرح کا معاشرہ ہو گا مگر کچھ حیا بھی تھی شاید اسی لئے حضرت یوسف کو قید خانے میں ڈالا گیا۔ حضرت یوسف نے دعوت گناہ قبول کرنے کے بجائے قید خانے کو پسند کیا اور دعا فرمائی۔

زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہوں گا اور ناداں بنوں گا''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور ان عورتوں کے مکر سے آپ کو محفوظ رکھا۔ جب حضرت یوسف قید خانے میں داخل ہوئے تو وہاں آپ کو دو قیدی ملے یونا اور مجلث ایک مصر کے بادشاہ ریان بن ولید بن عملیقی کے باورچی خوانے کا مہتمم اور دوسرا بادشاہ کا ساقی دونوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی اس جرم کی پاداش میں یہ دونوں قید کئے گئے.......... ان میں سے ایک قیدی نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں وہاں ایک انگور کی بیل میں تین رس بھرے خوشے لگے ہیں، بادشاہ کا جام ہاتھ میں ہے اور وہ ان خوشوں سے رس نچوڑ رہا ہے اور دوسرے قیدی نے دیکھا کہ اس کے سر پر کچھ روٹیاں ہیں، جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔

ترجمہ:

''اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان داخل ہوئے، ان میں ایک بولا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے کچھ پرندے کھاتے ہیں، ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، بیشک ہم آپ کو نیکوکار سمجھتے ہیں''

ان دونوں قیدیوں نے حضرت یوسف کو اپنے اپنے خواب سنائے اور تعبیر کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا، کافر و مشرک قیدیوں نے جب خواب کی تعبیر کے لئے آپ سے رجوع کیا تو آپ نے ان کی رغبت دیکھ کر فرمایا کہ اللہ کے فضل و کرم سے مستقبل تو مستقبل ابھی ابھی ہونے والی باتیں تمہیں بتاتا ہوں کون تمہارے تمہارے لئے کھانا لائے گا، کیا کھانا لائے گا اور کب کھانا لائے گا۔

ترجمہ:

''یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے، وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے بتاؤں گا، یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے''

قرآن حکیم ایسی سچی، باتیں بھی پیش کرتا ہے، جو عقل کے دائرے سے بہت بلند ہیں، ان کا ایک مقصد عقل کی بے بسی دکھانا اور وحی کی قدر و قیمت جتانا بھی ہے، جس کی طرف مشرق کے مشہور فلسفی ڈاکٹر اقبال نے اشارہ کیا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہ بر ظن و تخمین تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر؟
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

یہ اس لئے فرمایا کہ آگے چل کر کچھ مستقبل کے بارے میں بتایا جائے تو وہ اس میں شک و تردد نہ کریں......... بعض حضرات انبیاء کے علوم غیبیہ کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ یہ علوم اللہ نے عطا فرمائے ہیں، علم غیب وہ علم ہے جس میں سارے علوم و فنون شامل ہیں، جب ہم ایک علم و فن کے عالم کو بہت بڑا عالم اور اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں اور کوئی سرکش و احمق طالب علم یہ نہیں کہتا، یہ تو عالم نہیں ہیں ان کو تو ان کے استاد نے پڑھایا ہے، یہ تو کچھ نہ جانتے تھے، تو پھر علم غیب کے بارے میں یہ کہہ کر انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و تذلیل کرنا کہ ان کو اللہ نے پڑھایا ہے، خود بخود تو آیا نہیں، صرف نفس کی شرارت ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اللہ نے ان کو پڑھایا ہے، ہم اپنے لائق استادوں پر فخر کرتے ہیں تو پھر ان پر کیوں نہ فخر کیا جائے جن کو اللہ نے پڑھایا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو عقل سلیم عطا فرمائے اور نفس کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ حضرت یوسف نے سچ فرمایا

ترجمہ:

''اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا، بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے''

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ظہور کے لئے اپنے پیاروں کو انتخاب فرمایا، کسی مغضوب و مردود کے ذریعے اپنی قدرت کا اظہار نہ فرمایا، خوب غور فرمائیں اور دل سے پوچھیں وہ کیا کہتا ہے یہ نکتہ اہل علم و انصاف کے لئے قابل غور وفکر ہے کافر و مشرک قیدیوں نے جب خواب کی تعبیر کے لئے آپ سے رجوع کیا تو آپ نے ان کی رغبت دیکھ کر تصور توحید پر گفتگو فرمائی............ اس سے یہ نکتہ ملتا ہے کہ کافر و مشرک اور بدعقیدہ جب کسی عالم و عارف کی طرف متوجہ ہو تو ان کو ان سے بیزار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان کی رغبت سے فائدہ اٹھا کر ان کو دین کی تبلیغ کرنا چاہئے، اس کو ہدایت کا راستہ دکھانا چاہئے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک طرف یہ نہ چاہا کہ وہ قیدی کفر کی حالت میں سولی پر چڑھایا جائے اس لئے اسلام کی دعوت دی، دوسری طرف دربار شاہی کے ساتھی کو اسلام کی دعوت دے کر دربار میں تبلیغ اسلام کا راستہ کھولا تاکہ وہ ساتھی درباریوں کو دین اسلام کی دعوت دے اور آپ کی پیاری پیاری باتیں درباریوں کو بتائے۔ حضرت یوسفؑ نے توحید پر دل پذیر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

ترجمہ:

''میں نے ان لوگوں کا دین نہ مانا جو اللہ پر ایمان نہ لائے اور آخرت کے منکر ہیں۔ میں نے اپنے باپ دادا، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا دین اختیار کیا۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ غیر اللہ کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ کا فضل ہے مگر ہم میں سے بہت سے لوگ شکر ہی ادا نہیں کرتے اے قید خانے کے میرے دونوں ساتھیو! یہ تو بتاؤ، کیا الگ الگ پروردگار اچھا یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم جن بتوں کو پوجتے ہو ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں وہ تو تیرے نام ہی نام ہیں۔ یہ بت تو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے تراش لئے ہیں، کیا اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت بھی پوجنے کے لائق ہیں؟ اللہ نے ان بتوں کی کوئی سند نہیں اتاری۔ بات یہ ہے کہ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو، یہ سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس تقریر کے بعد آپ نے دونوں قیدیوں کو خواب کی تعبیر بتائی فرمایا۔

ترجمہ:

''اے قید خانوں کے دونوں ساتھیو! تم میں ایک تو بادشاہ کو شراب پلائے گا رہا دوسرا تو وہ سولی پر چڑھایا جائے گا اور

> جب آپ خواب کی تعبیر بتا چکے تو انہوں نے کہا ہم مذاق کر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ فیصلہ ہو چکا، جو ہم نے کہہ دیا ہو کر رہے گا۔ اللہ اکبر۔ گویا کہ مستقبل کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور زمانہ سمٹ کر آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا ممکن ہے کہ وہ مذاق ہی کر رہے ہوں مگر کاملین کے منہ سے جو بات نکل جاتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے کہ تائید الٰہی شامل حال ہوتی ہے، کاملین کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے اور ان سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔''

پرندے اس کا سر کھائیں گے''

جب آپ خواب کی تعبیر بتا چکے تو انہوں نے کہا ہم مذاق کر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ فیصلہ ہو چکا، جو ہم نے کہہ دیا ہو کر رہے گا۔ اللہ اکبر۔ گویا کہ مستقبل کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور زمانہ سمٹ کر آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا ممکن ہے کہ وہ مذاق ہی کر رہے ہوں مگر کاملین کے منہ سے جو بات نکل جاتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے کہ تائید الٰہی شامل حال ہوتی ہے، کاملین کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے اور ان سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔''

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا جب قیدی رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانے لگا تو حضرت یوسفؑ نے قیدی سے کہا جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو موقع دیکھ کر ہمارا بھی ذکر کر دینا کہ ایک نیک کردار اور شریف النفس آدمی کو ظلماً قید میں ڈھال رکھا ہے، قیدیوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک نے بھی قیدیوں میں آپ کو معزز و محترم بنا دیا تھا۔

ترجمہ:

''یوسف نے ان دونوں میں سے جسے سچا سمجھا اس سے کہا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیل خانے میں رہا''

اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا اچھا نہیں معلوم ہوا۔ جو اس کا ہو گیا پھر غیر سے اس کو کیا کام؟۔ معالم التنزیل میں حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ رب کریم نے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے یہ پیغام بھجوایا کہ ''جب غیر کی طرف توجہ کی ہے تو ابھی اور ہم تم کو کچھ مدت قید رکھیں گے'' حضرت یوسفؑ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا ''رب کریم مجھ سے راضی تو ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا ''راضی ہے'' حضرت یوسفؑ نے فرمایا ''پھر کوئی پرواہ نہیں'' کی خدا کی شان وہ قیدی ذکر کرنا بھول گیا، حضرت یوسفؑ پانچ برس تو پہلے ہی قید میں رہے تھے سات برس اور گزر گئے پھر اس قیدی کو یاد آیا ور اس نے بادشاہ سے آپ کا ذکر کیا جب حضرت یوسفؑ کا قید سے نکالنا منظور ہوا تو شاہ مصر نے ایک عجیب خواب دیکھا اور اس نے ملک کے ساحروں اور کاہنوں کو خواب کی تعبیر بتانے کے لئے جمع کیا، انہوں نے کہا یہ پریشان خیالیاں ہیں اور ہمیں تو خواب کی تعبیر بتانی نہیں آتی کیونکہ یہ قیدی بھی حضرت یوسفؑ سے خواب کی تعبیر پوچھ چکا تھا اور وہ بالکل سچ ثابت ہوئی تو اب اس کو حضرت یوسفؑ کا یاد دلانا یاد آیا اور اس نے موقع پا کر آپ کا ذکر کیا۔

ترجمہ:

''اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھیں سات گائیں، موٹی کہ انہیں سات دبلی گائے کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری اور دوسری سات سوکھی............ اے درباریو! میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو............ درباری بولے یہ تو پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر بتانا جانتے بھی نہیں............ اور بولا وہ جوان جو دونوں سے بچا تھا اور ایک مدت بعد اسے یاد آیا (کہنے لگا) میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتاؤں گا مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو''

بادشاہ نے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے قیدی کو قید خانہ بھیجا، اس قیدی نے حضرت یوسفؑ کو ''اے سچے یوسف'' کہہ کر مخاطب کیا کیونکہ آپ اس کو قید خانے میں کھانے کے بارے میں تفصیلات بتا چکے تھے اور خواب کی جو تعبیر اس کو بتائی تھی وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکی تھی قیدی نے خواب بیان کیا اور آپ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی۔

ترجمہ:

''(جب وہ جوان یوسف کے پاس آیا تو بولا) اے سچے یوسف! ہمیں تعبیر بتائیے سات موٹی گائیوں کی جنہیں سات دبلی کھاتی ہیں اور ہر بالیں اور دوسری سات سوکھی۔ آپ (تعبیر بتائیں گے تو) شاید میں ان لوگوں کے پاس واپس

جاؤں اور ان کو تعبیر معلوم ہو۔ (یوسف نے) کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگاتار تو جو کاٹو تو اسے اسکی بال میں رہنے دو مگر تھوڑا (نکال لو) جتنا کھا سکو۔ پھر اس کے بعد سات کرے برس آئیں گے کہ (سب لوگ) کھا جائیں گے جو ان کے لئے پہلے جمع کر رکھا تھا، مگر تھوڑا جو بچا لو پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں بارشیں ہوں گی اور اس میں (لوگ) نچوڑیں گے (یعنی خوب بہار آئے گی۔

قیدی نے جا کر یہ تعبیر بتائی تو بادشاہ کے دل کو لگی اور تعبیر ہی سے اس نے آپ کی خداداد زکاوت و ذہانت کا اندازہ لگا لیا، فوراً رہائی کا حکم جاری کیا اور قیدی کو واپس قید خانے بھیجا اور دربار آنے کی دعوت دی۔

لیکن چونکہ سات برس پہلے زلیخا اور بیگمات کا حادثہ پیش آ چکا تھا اس لئے حضرت یوسف نے دربار میں آنے سے پہلے اس واقعہ کی صفائی چاہی تا کہ سب پر کھل جائے کہ غلط الزام لگا کر آپ کو قید کیا گیا تھا اور آپ کا دامن صاف تھا۔

حضرت یوسف چونکہ منصب نبوت ورسالت پر فائز ہو چکے تھے اس لئے آپ نے صفائی چاہی تا کہ کار تبلیغ متاثر نہ ہو اور سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا دامن بے داغ ہے، کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور مستقل سیدھا راستہ اور صاف ہو جائے اس سے آپ کے کمال تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے تمام عورتوں کو دربار میں جمع کیا اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں باز پرس کی جس کو بارہ برس گزر چکے تھے، زلیخا اور ساری بیگمات دربار میں موجود تھیں، عجب منظر تھا سب نے کہا کہ ہم ہی قصوروار تھے یوسف کا دامن پاک تھا۔

ترجمہ:

''اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لاؤ۔ تو جب یوسف کے پاس ایلچی آیا (اور بادشاہ کی طرف دعوت دی) تو (یوسف نے کہا) کہ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بے شک میرا رب ان کے فریب جانتا ہے۔ (بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا اور) کہا کہ تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف کا دل لبھانا چاہا؟۔ بولیں اللہ کو پاکی ہے؛ ہم نے ان میں کوئی برائی نہ پائی۔ عزیز مصر کی عورت بولی، اب اصل بات کھل گئی میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں۔ یوسف نے کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہ کی اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''

حضور اکرم ﷺ نے حضرت یوسف کی اس صبر وتحمل کی (کہ معاملہ کی صفائی تک قید میں رہنا پسند فرمایا) تعریف کرتے ہوئے از راہ خوش طبعی فرمایا ''اس موقع پر اگر میں ہوتا تو بادشاہ کے قاصد کے ساتھ شاید فوراً چلا جاتا اور عورتوں کے مکر وفریب کی صفائی تک قید خانے میں نہ رہتا'' اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ حضور انور ﷺ کی عادت شریف عفو ودرگزر کی تھی کیونکہ رب کریم نے آپ کو ہدایت کی تھی خذ العفو (درگزر کی عادت ڈالو!) آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کی حضرت یوسف کے عمل سے ان کا دامن تو بے داغ ہو گیا لیکن سر دربار نہ صرف زلیخا بلکہ دوسری مصری عورتوں کو بھی اقبال جرم کرنا پڑا

''اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لاؤ۔ تو جب یوسف کے پاس ایلچی آیا (اور بادشاہ کی طرف دعوت دی) تو (یوسفؑ نے کہا) کہ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے؟ بے شک میرا رب ان کے فریب جانتا ہے۔ (بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا اور) کہا کہ تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف کا دل لبھانا چاہا؟۔ بولیں اللہ کو پاکی ہے، ہم نے ان میں کوئی برائی نہ پائی۔ عزیز مصر کی عورت بولی، اب اصل بات کھل گئی میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں۔ یوسف نے کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہ کی اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''

اور ندامت اٹھانی پڑی، یہ بات حضور انور ﷺ کے مزاج عالی کے خلاف تھی، آپ تو دوسروں کے لئے خود تکلیف اٹھانا پسند فرماتے تھے۔

حضرت یوسف نے الزام سے بری ہوئے بغیر بادشاہ کے دربار میں جانے سے پہلے ایک طرف تو یہ بتایا کہ تقویٰ کے مقابلہ میں جاہ وحشمت کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہ تھی دوسری طرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ مجرم تو مجرم اگر کسی پر جھوٹا الزام بھی ہو تو اس کو الزام سے بری ہوئے بغیر کوئی اہم منصب قبول نہیں کرنا چاہئے، بادشاہ ہو، وزیر ہو، امیر ہو، اس کا کردار بے داغ ہونا چاہئے ورنہ وہ کسی منصب کے لائق نہیں ہمارے معاشرے میں زانی، شرابی، قاتل، ظالم خائن، بدکردار، اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے ہیں، یہ لوگ کام کر نہیں سکتے جو ایک نیک کردار انسان کر سکتا ہے۔ اعلیٰ عہدوں کے لئے نیکی اور پاکی بہت ضروری ہے۔

ترجمہ:

''اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں خاص اپنے لئے چن لوں۔ پھر یوسف سے بات کی تو کہا بے شک آج ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں یوسف نے کہا، مجھے زمین کے خزانوں پر لگا دیں، بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں''

انسان اپنے حال سے سب سے زیادہ باخبر ہے اس لئے دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس منصب کو خلوص دل سے قبول کیا جائے جس کو بخوبی نباہ سکتا ہو اور وہ بھی جب کوئی منصب پیش کیا جائے، لائق اور قابل نہ ہوتے ہوئے کسی منصب کی خواہش ظاہر کرنا خیانت اور بددیانتی ہے خصوصاً جبکہ کوئی پیشکش بھی نہ ہو، اور جائز وناجائز طریقوں سے اس کے لئے کوشش کرنا سراسر حرام ہے۔........حضرت یوسف نے بادشاہ کے پوچھنے پر منصب کی اس وقت خواہش کی جب ان کو یقین تھا کہ وہ اس منصب کو بخوبی نباہ سکتے ہیں، آپ نے عہدہ طلب نہیں فرمایا، بادشاہ کے پوچھنے پر اپنی پسند کا شعبہ ضرور بتایا اس سے آپ کے کمال دیانت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ نے ثابت کر دیا کہ شام و مصر میں کوئی آپ جیسا قابل ولائق نہ تھا۔

المختصر یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنے عمل سے دور جدید کی Appointing Authorities کو بتایا اگر کسی کو اہم منصب پر فائز کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ لائق ہے یا نہیں، خائن تو نہیں؟ کیونکہ خائن امانت داری کا حق ادا نہیں کر سکتا.......ساری ابتری خائن کی خیانت سے ہوتی ہے اور خیانت کا تصور بہت ہی وسیع ہے....... آنکھ کی خیانت، زبان کی خیانت، خیال کی خیانت، اختیار کی خیانت، مال کی خیانت، جان کی خیانت وغیرہ وغیرہ۔

جب شاہ مصر نے حضرت یوسف کی شرافت ونجابت، دیانت وامانت، ریاضت وعبادت، عصمت وعفت، ہمدردی وغمخواری کا حال سنا تو اس کے دل میں آپ کی عظمت بیٹھ گئی

اور اس نے معززین کی ایک جماعت بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز و سامان اور نفیس لباس دے کر قید خانہ بھیجی تا کہ حضرت یوسفؑ کو تعظیم و تکریم کے ساتھ دربار شاہی میں لایا جائے......... ان حضرات نے حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیغام پہنچایا......... چونکہ آپ الزام سے پاک ہو چکے تھے اور زنان مصر نے شاہی دربار میں اپنے قصور اور حضرت یوسفؑ کی عصمت و پاک دامنی کا اعتراف کر لیا تھا اس لئے آپ نے بادشاہ کی دعوت قبول فرمائی.........

قید خانے سے چلتے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی پھر باہر آ کر غسل فرمایا، شاہی پوشاک زیب تن فرمائی اور معززین و مقربین کے ساتھ ایوان شاہی کی طرف روانہ ہوئے، جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو فرمایا

''میرا رب مجھے کافی ہے اس کی پناہ میں، اس کی ثنا برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں''

پھر آپ قلعہ میں داخل ہوئے اور دربار سے ہی جب آپ بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا فرمائی۔

''یارب تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں کی بھلائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام کیا......... بادشاہ نے دریافت کیا......... یہ کون سی زبان ہے......... فرمایا میرے جد محترم حضرت اسماعیل کی زبان ہے......... پھر آپ نے اس کو عبرانی زبان میں دعا دی......... یہ میرے بھائی کی زبان ہے......... بادشاہ نہ عربی سمجھ سکا، نہ عبرانی، باوجودیکہ وہ سترہ زبانیں جانتا تھا......... پھر جس زبان میں اس نے گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اس کو جواب دیا......... اس وقت آپ کی عمر شریف 37,36 سال کی ہوگی......... یہ وسعت علم دیکھ کر بادشاہ حیران ہوا اور سامنے آپ کو تخت شاہی پر اپنے برابر جگہ دی......... آپ نے بادشاہ کے خواب کی تفصیل بھی بیان کر دی، حالانکہ آپ کے سامنے خواب مجملاً بیان کیا گیا تھا......... بادشاہ نے کہا کہ خواب تو عجیب ہے مگر آپ کا اس کی تفصیل بتانا عجیب تر ہے......... بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے......... پھر بادشاہ نے خواب کی تعبیر بتانے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔

''لازم یہ ہے کہ غلہ جمع کیا جائے اور ان فراخی کے سات سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے......... اس غلہ کو مع بالوں کے محفوظ رکھا جائے، رعایا کی پیداوار میں سے خمس لیا جائے اس سے جو جمع ہوگا وہ مصر اور مصر کے باہر کے باشندوں کے لئے کافی ہوگا، پھر خلق خدا آپ کے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور آپ کے ہاں اتنے خزانے جمع ہوں گے جو آپ سے پہلوں کے لئے جمع نہیں ہوئے۔''

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے یہ نہ فرمایا کہ جن سالوں میں قحط کا یقین ہے ان کے لئے آس پڑوس یا دور دراز ممالک سے غلے یا قرضوں کا انتظام کیا جائے......... آپ نے خارجی انتظام کے مقابلے میں داخلی انتظام کو ترجیح دی، خوشحالی کے سالوں میں خوب کاشت کا حکم دیا، ہم خوشحالی میں بے خبر رہتے ہیں۔ بدحالی میں ہوشیار ہوتے ہیں......... آدمی بھی موجود، زمین بھی موجود، پانی بھی موجود، سب نعمتوں کو ہم سرخ فیتے کی نظر کر دیتے ہیں اور ساکی چکی میں سب کو پیستے رہتے ہیں، ہم نے حقیقتوں کو فسانوں میں گم کر دیا۔

ہمیں حضرت یوسفؑ کی اقتصادی حکمت عملی سے سبق لینا چاہئے۔

اسلام میں شدید مجبوری کے سوا قرض لینے کی سخت ممانعت ہے، خصوصاً سودی قرضہ کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ طلب و سوال سے انسان کی داخلی اور خارجی قوتیں مضمحل ہو کر مردہ ہو جاتی ہیں اور وہ نکما ہوتا چلا جاتا ہے اس لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں''

غور فرمائیں حضور انور ﷺ نے کیسی غیرت و حمیت کا سبق سکھایا ہے جب افراد باغیرت ہوں گے تو قوم بھی باغیرت ہوگی، دنیا میں عزت و عظمت باغیرت قوموں ہی کے لئے ہے۔

ہندوستان کے مشہور بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ دہلی سے اپنے مرشد کریم شہور معروف بزرگ بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس پاک پٹن شریف (پاکستان) حاضر ہوئے ایک روز مرشد نے مرید سے دال پکوائی، گھر میں نمک نہ تھا مگر جب مرشد کے سامنے دال پیش کی گئی تو اس میں نمک تھا، آپ نے مرید سے پوچھا کہ نمک کہاں سے آیا؟......... مرید نے عرض کیا، بنیے سے مانگ کر ڈال دیا......... بابا فرید الدین گنج شکر نے جو کچھ فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا۔

''فقیر مر جاتا ہے مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا''......... اللہ اکبر......... اگر غیرت پیدا ہو جائے تو انسان زندہ ہو جاتا ہے......... غیرت نہ ہو تو زندہ بھی مردہ ہے......... غیرت کی تربیت ہر مربی پر فرض ہے.........

ایک مرتبہ مانگنے کی عادت ہو جائے تو کبھی نہیں چھٹتی اسی لئے حضور انور ﷺ نے ہماری عادتوں کو سنوارا اور مانگنے اور سوال کرنے سے منع فرمایا۔

بہر حال عرض یہ کر رہا تھا کہ جب بادشاہ کو آپ نے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے کہا آپ سے زیادہ اس کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے؟......... چنانچہ اس نے وزیر اعظم مصر کو معطل کر کے ملک کے خزانوں کا آپ کو مالک بنا دیا۔

ترجمہ:

''اور یوں ہی ہم نے یوسف کو اس ملک پر قدرت بخشی اس میں جہاں چاہے رہے، اور ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں اور ہم نیکیوں کا رنگ ضائع نہیں کرتے اور بے شک آخرت کا ثواب ان کے لئے بہتر جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے''

وزیر اعظم کو شاید اس لئے معزول کیا گیا کہ اس نے حضرت یوسفؑ کو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی زلیخا کی آن کی خاطر برسوں قید خانہ میں رکھا حالانکہ شیر خوار بچے کی گواہی سے اس کو بالکل یقین ہو گیا تھا کہ آپ بے گناہ ہیں لیکن چونکہ آپ غلام تھے اس لئے بے گناہ ہوتے ہوئے بھی آپ ظلم کا شکار ہوئے......... اس جدید دنیا میں بھی ہزاروں لاکھوں اس قسم کے مظالم کا شکار ہوتے رہتے ہیں......... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے ابتدائی سات سالوں کے اندر ہی حضرت یوسفؑ کی شاندار کارکردگی سے متاثر ہو کر بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو دربار شاہی میں بلایا، آپ کی تاج پوشی کی، تلوار اور مہر آپ کے سامنے پیش کی آپ کے سر پر تاج رکھا، اور آپ کو جواہرات سے مرصع، طائی تخت شاہی، پر تخت نشین کیا، اپنا ملک آپ کے سپرد کیا اور خود آپ کی رعیت میں میں شامل ہو گیا اللہ اکبر......... بادشاہ آپ کے رائے میں کبھی دخل نہ دیتا اور آپ کے ہر حکم کو مانتا۔ اسی زمانے میں وزیر اعظم مصر قطفیر مصری کا انتقال ہو گیا، بادشاہ نے وزیر اعظم کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر دیا، اب حضرت زلیخا پستیوں سے نکل کر بلندیوں تک پہنچ چکی تھیں اور حضرت یوسفؑ کے حرم میں داخل ہو کر اللہ کے نبی کی رفیقہ حیات بن چکی تھیں۔

گاہ بحلیہ می برد، گاہ بزور میکشد
عشق کی ابتداء عجب، عشق کی انتہاء عجب

حضرت زلیخا سے حضرت یوسفؑ کے دو بیٹے ہوئے، افراثیم اور میشا.........

مصر میں حضرت یوسفؑ کی حکومت مضبوط ہوئی آپ نے عدل کی بنیادیں قائم کیں، ہر مرد و زن کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط کے ایام میں غلہ جمع کرنے کی تدبیر کی۔ اس کے لئے بڑے عالیشان انبار خانے تعمیر فرمائے اور کثیر ذخائر جمع کئے جب فراخی کے سال گزر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدام کے لئے روزانہ ایک وقت کا کھانا مقرر فرمایا......... ایک روز دوپہر میں بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے بھوک کی شکایت کی تو آپ

نے فرمایا ابھی تو یہ قحط کی ابتداء کا وقت ہے.......... پہلے سال جو لوگوں کے پاس ذخیرے تھے ختم ہو گئے، بازار خالی ہو گئے اہل مصر حضرت یوسفؑ سے جنس خریدنے لگے اور ان کے تمام درہم و دینار آپ کے پاس آ گئے.......... دوسرے سال لوگوں نے زیورات و جواہرات دے کر غلہ خریدا اور وہ تمام زر و جواہر آپ کے پاس آ گئے، کسی کے پاس کسی قسم کا زیور اور جواہرات نہ رہے.......... تیسرے سال لوگوں نے چوپائے اور جانور دے کر غلہ خریدا اور ملک میں کوئی کسی جانور کا مالک نہ رہا.......... چوتھے سال میں غلے کے لئے لوگوں نے غلام اور باندیاں بیچ ڈالیں.......... پانچویں سال تمام اراضی اور جاگیریں فروخت کر کے آپ سے غلہ خریدا.......... اس طرح سے تمام چیزیں حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچ گئیں..........

چھٹے سال جب کچھ نہ رہا تو لوگوں نے اپنی املاک بیچیں اور غلہ خرید کر وقت گزارا.......... ساتویں سال وہ لوگ خود بک گئے اور غلام بن گئے اور مصر میں کوئی آزاد مرد و عورت باقی نہ رہا، جو مرد تھا وہ حضرت یوسفؑ کا غلام تھا اور جو عورت تھی وہ حضرت یوسفؑ کی کنیز تھی اور لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسفؑ کی جلالت و عظمت کسی بادشاہ کو میسر نہ آئی.......... حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے کہا کہ اللہ کا مجھ پر کیسا کرم ہے اس نے مجھ پر ایسا عظیم احسان فرمایا یعنی اہل مصر کی تمام اموال، املاک اور جاگیریں آپ کے قبضے میں آ گئیں اور تمام مصر والوں کو آپ کا غلام بنا دیا تا کہ کوئی مصری یہ نہ کہہ سکے آپ تو ہمارے غلام تھے.......... حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے پوچھا کہ ان لوگوں کے حق میں تمہاری کیا رائے ہے؟.......... بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہا.......... ''جو آپ کی رائے ہے وہ میری رائے ہے، ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں''

آپ نے جو کچھ فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے.......... آپ نے فرمایا۔

''میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور آپ کو گواہ کرتا ہوں میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کیا اور ان کی تمام املاک اور کل جاگیریں واپس کیں'' (اللہ اکبر)

حضرت یوسفؑ کی اس دریا دلی سے آپ کی حقیقی عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا ہے.......... قحط کے زمانے میں حضرت یوسفؑ نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ اتنے عظیم خزانوں کے مالک ہو کر آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا

''اس اندیشے سے نہیں کھاتا کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں قوم کو نہ بھول جاؤں'' (اللہ اکبر)

پورے ملک کا مالک ہوتے ہوئے بھی بھوکی رعیت کا اتنا خیال.......... جدید سلطنتوں کی بے غیرتی کا حال یہ ہے کہ رعیت کا مال کھاتے ہیں، رعیت ہی پر غراتے ہیں اور رعیت کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے۔

جس زمانے میں قحط پڑا حضرت یوسفؑ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے سامنے غلہ تقسیم فرماتے.......... تقسیم کا کام معمولی سمجھ کر خدام، ملازمین اور نوکروں پر نہ چھوڑا، کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے تا کہ مساوات قائم رہے.......... قحط کا اثر جب کنعان میں پہنچا، جو حضرت یوسفؑ کا وطن تھا تو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے چھوٹے بیٹے بنیامین کو روک لیا اور دس بیٹوں کو غلے لینے کے لئے بھیجا۔

چنانچہ یہ قافلہ غلہ لینے کے لئے کنعان سے مصر روانہ ہوا.......... حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے سے اب تقریباً چالیس سال کا زمانہ گزر چکا تھا اور بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ شاید آپ انتقال کر چکے.......... آپ تقریباً تیرہ برس کی عمر میں گھر سے نکلے تھے، تقریباً بارہ برس وزیر اعظم مصر کے پاس رہے اور تقریباً بارہ برس قید خانہ میں رہے۔ تقریباً 36 برس کی عمر میں وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے، سات برس خوشحالی کا دور رہا، حضرت یوسفؑ کی عمر شریف 43,42 سال کی ہو چکی ہو گی، جب یہ بھائی غلہ لینے مصر آئے..........

مصری خریدار کے ہاتھوں غلام کی زنجیروں میں جکڑنے والے بھائیوں کو یہ وہم و گمان تک نہ تھا جس بھائی کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا وہ اب آقاؤں کا آقا بن چکا ہے.......... سارا مصر اس کا غلام بن چکا ہے اور وہ تخت سلطنت پر شاہانہ انداز کے ساتھ جلوہ افروز ہے اس لئے انہوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ سے عبرانی زبان میں گفتگو کی، آپ نے بھی اسی زبان میں جواب دیا.......... آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا.......... ہم شام کے رہنے والے ہیں جس مصیبت میں دنیا مبتلا ہے اس مصیبت میں ہم بھی مبتلا ہیں آپ سے غلہ خریدنے آئے ہیں.......... حضرت یوسفؑ نے فرمایا.......... تم جاسوس تو نہیں ہو.......... انہوں نے کہا.......... ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں، جاسوس نہیں، ہم سب بھائی ہیں، ایک باپ کی اولاد ہیں، ہمارے والد بہت بزرگ اور معمر ہیں، ان کا نام یعقوبؑ ہے، وہ اللہ کے نبی ہیں.......... آپ نے فرمایا تم کتنے بھائی ہو؟.......... کہنے لگے.......... ہیں تو ہم بارہ بھائی مگر ہمارا ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا تھا، ہلاک ہو گیا اور وہ والد صاحب کو ہم سے زیادہ پیارا تھا، فرمایا اب تم کتنے بھائی ہو؟.......... عرض کیا دس بھائی.......... فرمایا.......... گیارہواں بھائی کہاں ہے؟.......... کہا وہ والد صاحب کے پاس ہے کیونکہ جو بھائی ہلاک ہو گیا وہ اس کا حقیقی بھائی تھا، اب والد صاحب کو اسی سے کچھ تسکین ہوتی ہے.......... حضرت یوسفؑ نے ان بھائیوں کی بہت عزت کی اور بہت خاطر مدارات سے ان کی میزبانی فرمائی، سب کو ایک ایک اونٹ بوجھ غلہ دیا اور عزت سے روانہ کیا اور فرمایا اپنے گیارہویں بھائی بنیامین کو بھی لے کر آنا۔

ترجمہ:

''اور یوسف کے بھائی آئے تو یوسف کے پاس حاضر ہوئے، یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس سے انجان رہے۔ اور جب ان کا سامان مہیا کر دیا (یوسف نے کہا) اپنا سوتیلا بھائی میرے پاس لاؤ، کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں بے شک بہتر مہمان نواز ہوں۔ پھر اگر اسے لے کر میرے پاس نہ آئے تو تمہارے لئے میرے یہاں ناپ (غلہ) نہیں اور میرے پاس نہ پھٹکنا۔ بولے ہم اس کے باپ سے اس کی درخواست کریں گے، اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔ یوسف نے اپنے غلاموں سے کہا کہ یہ ان کی پونجی کو ان کی خورجیوں میں رکھ دو شاید وہ اسے پہچانیں جب اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں''

بھائیوں نے غلہ کے لئے جو رقم دی تھی حضرت یوسفؑ نے وہ بھی غلہ کے ساتھ ہی غلہ میں رکھوا دی تا کہ جب گھر جا کر غلہ انڈیلیں تو رقم دیکھ کر خوش ہو جائیں ذوق و شوق سے جلد واپس آئیں.......... چنانچہ ان بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے عرض کیا، اب کے بنیامین کو بھی ساتھ کر دیں تا کہ ایک بوجھ اونٹ اور زیادہ آ جائے، انہوں نے وہ رقم بھی دکھائی جو حضرت یوسفؑ نے غلہ کے ساتھ رکھ دی تھی اور کہا بادشاہ کتنا مہربان ہے کہ ہماری رقم بھی ہم کو واپس کر دی.......... آپ نے فرمایا کہ تم نے پہلے بھی اس کے بھائی کو ہلاک کر دیا تھا کہیں اس کو ہلاک نہ کر دینا انہوں نے قسم کھائی تب آپ نے جانے کی اجازت دی۔

بھائیوں نے غلہ کے لئے جو رقم دی تھی حضرت یوسفؑ نے وہ بھی غلہ کے ساتھ ہی غلہ میں رکوادی تا کہ جب گھر جا کر غلہ انڈیلیں تو رقم دیکھ کر خوش ہو جائیں ذوق وشوق سے جلد واپس آئیں............ چنانچہ ان بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے عرض کیا، اب کے بنیامین کو بھی ساتھ کر دیں تا کہ ایک بوجھ اونٹ اور زیادہ آ جائے، انہوں نے وہ رقم بھی دکھائی جو حضرت یوسفؑ نے غلہ کے ساتھ رکھ دی تھی اور کہا بادشاہ کتنا مہربان ہے کہ ہماری رقم بھی ہم کو واپس کر دی........ آپ نے فرمایا کہ تم نے پہلے بھی اس کے بھائی کو ہلاک کر دیا تھا کہیں اس کو ہلاک نہ کر دینا انہوں نے قسم کھائی تب آپ نے جانے کی اجازت دی۔

ترجمہ:

"پھر وہ جب اپنے باپ کی طرف لوٹ گئے، کہنے لگے، اے ہمارے باپ! ہم سے تو غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ غلہ لائیں اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔ (یعقوب نے کہا) کہ کیا اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی اعتبار کرلوں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان۔ تو جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو پھیر دی گئی ہے، بولے اے ہمارے باپ! اب ہم اور کیا چاہیں کہ ہماری پونجی ہمیں واپس کر دی گئی اور ہم اپنے گھر کے لئے غلہ لائیں اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ پائیں، یہ دینا بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں۔ (یعقوب نے) کہا میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا یہ عہد نہ دو کہ تم اسے واپس لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم گھر جاؤ............ پھر جب انہوں نے حضرت یعقوب کو عہد دے دیا کہا اللہ کا ذمہ ہے ان باتوں پر جو ہم کر رہے ہیں"

برادران یوسف کی تعداد کا پہلے پھیرے میں اہل مصر کو علم ہو گیا تھا کہ یہ گیارہ بھائی ہیں اس لئے حضرت یعقوبؑ نے فرمایا.......... شہر میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا کہیں نظر نہ لگ جائے۔

ترجمہ:

"(یعقوب نے) کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا، حکم تو سب اللہ ہی کا ہے میں نے اس پر بھروسہ کیا اور جب وہ داخل ہوئے جیسے ان کے باپ نے حکم دیا تھا، جو کچھ انہیں اللہ سے بچا نہ سکتا، ہاں یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ صاحب علم ہے ہمارے سکھائے سے مگر اللہ لوگ نہیں جانتے (اور نبیوں کو اپنا جیسا سمجھتے ہیں)

اولاد کیسی ہی سرکش و نا خلف ہو والدین کو پیار آ ہی جاتا ہے نظر لگنے والی بات بے حقیقت نہیں، حدیث کی کتابوں میں ٹوک اور نظر لگنے کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ حضور انورﷺ نے یہاں تک فرمایا

"کہ اگر دنیا میں کوئی چیز قضا وقدر پر غالب آ سکتی تو ٹوک ایسی تیز چیز ہے جو قضا وقدر پر غالب آ سکتی تھی"

مسلم شریف، ترمذی شریف وموطا امام مالک میں حضور انورﷺ نے نظر وٹوک اتارنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا ہے.......... اصل میں ٹوک ونظر ایک نفسیاتی حقیقت ہے جو عام طور پر مشاہدے میں آتی ہے، یہ کوئی وہم وخیال نہیں، پھر اس کی تصدیق یعقوبؑ جیسے نبی کی اس تدبیر سے بھی ہوتی ہے توکل کے ساتھ تدبیر عین ہی شریعت ہے مگر تدبیر ہی میں لگے رہنا اور اللہ کے فضل سے غافل رہنا بدنصیبی ہے.......... نظر کی بات اس مثال سے بھی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ محدب شیشے جب سورج کے سامنے کرتے ہیں اور ایک خاص زاویہ سے اس کی شعاعیں سیاہ کپڑے پر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ کپڑے سے دھواں اٹھنے لگتا ہے اور وہ جلنے لگتا ہے۔

برادران یوسف جب بنیامین کو لے کر مصر پہنچے تو حضرت یوسف نے عزت واحترام اور شفقت کے ساتھ ان کے قیام کا انتظام کیا اور حکم دیا دو دو بھائیوں کو ایک مکان میں اتارو........ جب پانچ مکانوں میں دس بھائی مقیم ہو گئے تو گیارہواں بھائی بنیامین اکیلا رہ گیا اور بہت رنجیدہ ہوا....... حضرت یوسفؑ نے فرمایا تم میرے پاس رہو اس حکمت سے حضرت یوسفؑ کو بنیامین کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع میسر آ گیا........ بنیامین بہت خوش ہوئے، آپ نے بڑی شفقت ومحبت سے ان کو اپنے پاس رکھا پھر اللہ نے آپ کو ایک تدبیر بتائی جس پر عمل کر کے آپ نے بنیامین کو اپنے پاس مستقل روک لیا۔

حضرت یوسفؑ نے بنیامین کو ماضی اور حال کی ساری باتیں بتادیں بنیامین بہت خوش ہوئے کہ آج عرصہ دراز کے بعد ان کو اپنے بھائی کی رفاقت نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ملاتا ہے جب چاہتا ہے جدا کر دیتا ہے۔

ترجمہ:

"اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا"

حضرت یوسفؑ نے جس حیلہ سے اللہ کے حکم سے بنیامین کو اپنے پاس رکھا اس کا پس منظر یہ ہے کہ ملک مصر کے قانون کے تحت چور اگر چوری کرتا تھا تو اس کی سزا یہ تھی کہ چوری کے مال سے دوگنا مال چور سے وصول کیا جاتا.......... اور ملک شام کا قانون یہ تھا کہ چور اگر چوری کرتا تو چوری کے عوض چور کو ایک سال تک روکے رکھا جا سکتا تھا.......... حضرت یوسفؑ نے بنیامین کو اپنے پاس روکے رکھنے کے لئے اللہ کے حکم سے تدبیر فرمائی اور بنیامین کو بتا دیا.........

جب سب بھائیوں کے اونٹوں پر غلہ لادا جا چکا تو بادشاہ نے غلہ ناپنے والا پیمانہ جو دراصل بادشاہ کے پانی پینے کا سونے یا چاندی کا کٹورا تھا جو جواہرات سے مزین نہایت نفیس قیمتی پیمانہ تھا......... یہ پیمانہ بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا گیا۔

ترجمہ:

"پھر جب ان کا سامان مہیا کر دیا، پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا، پھر ایک آواز دینے والے نے آواز دی، اے قافلہ! بے شک تم چور ہو، برادران یوسف اس کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے کیا چیز گم ہو گئی؟ بولے، بادشاہ کا پیمانہ نہیں ملتا جو اس کو تلاش کرے گا (اس کا انعام) ایک اونٹ بوجھ اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (برادران یوسف) بولے تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں (سرکاری لوگ) بولے پھر کیا سزا ہے چور کی اگر تم جھوٹے نکلے؟ (برادران)

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضرور سمجھتا ہوں کہ حضرت یوسفؑ نے شاہی میں فقیری کی.......... اور بادشاہ کا طلائی کٹورا جو دربار سے کبھی باہر نہ گیا ہوگا اس کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا کر یہ بتا دیا کہ بادشاہ اور حاکم اعلیٰ رعیت کی خدمت کے لئے ہیں، عیش کرنے کے لئے نہیں اور اس کٹورے کی بادشاہ سے زیادہ رعیت مستحق ہے.......... اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے محبوبوں کی نظر میں زر وجواہرات اور ٹھیکریاں سب برابر ہیں کیونکہ یہ سب اللہ کی نظر میں ہیچ ہیں.......... حضرت یوسفؑ کے ہر عمل سے ہمیں ایک عظیم سبق ملتا ہے۔

یوسف بولے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ملے وہی اس کے بدلے میں غلام بنے، ہمارے یہاں غلاموں کی یہی سزا ہے''

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضرور سمجھتا ہوں کہ حضرت یوسف نے شاہی میں فقیری کی .... اور بادشاہ کا طلائی کٹورا جو دربار سے کبھی باہر نہ گیا ہوگا اس کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا کر یہ بتا دیا کہ بادشاہ اور حاکم اعلیٰ رعیت کی خدمت کے لئے ہیں، عیش کرنے کے لئے نہیں اور اس کٹورے کی بادشاہ سے زیادہ رعیت مستحق ہے .... اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے محبوبوں کی نظر میں زر و جواہرات اور ٹھیکریاں سب برابر ہیں کیونکہ یہ سب اللہ کی نظر میں ہیچ ہیں .... حضرت یوسف کے ہر عمل سے ہمیں ایک عظیم سبق ملتا ہے۔

ہاں تو ذکر تھا بنیامین کی خورجی میں پیمانہ رکھنے کا .... جب بھائیوں کا یہ قافلہ کچھ دور نکلا تو غلہ ناپنے والے نے اچانک دیکھا کہ پیمانہ گم ہے، وہ پریشان ہوگیا اور اس نے آواز لگائی .... اے قافلہ والو .... بادشاہ کا پیمانہ گم ہوگیا ہے۔ چنانچہ قافلہ رک گیا اور تلاشی شروع ہوئی .... بھائیوں نے چوری سے انکار کیا .... حضرت یوسف نے فرمایا ''جس کے پاس سے یہ پیمانہ نکلے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے؟ برادران یوسف نے کہا اس کو نپے پاس روک رکھیں .... چنانچہ جب تلاش کرنے والے نے تلاش کرتے کرتے بنیامین کے اونٹ تک پہنچے اور ان کی خورجی کی تلاشی لی تو شاہی پیمانہ ان کی خورجی سے نکلا .... بنیامین کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ پیمانہ ان کی خورجی میں رکھا گیا ہے اور حضرت یوسف نے پہلے ہی ان سے اجازت لے لی تھی کیونکہ یہ حیلہ بہت ہی نیک مقصد کے لئے اختیار کیا گیا تھا، اس سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ تھا بلکہ انجام کار دشمنوں کو بنانا اور والدین کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرنا مقصود تھا .... یہ حیلہ اللہ نے بتایا چنانچہ فرمایا۔

ترجمہ:

''ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی''

بہر حال جب بنیامین پر چوری کا الزام آیا تو برادران یوسف نے کہا کہ ہم تو چور نہیں شاید اس نے چرا لیا ہو اس کا بھائی بھی چور تھا .... حضرت یوسف یہ سن کر خاموش رہے۔

ترجمہ:

''تو اول (برادران یوسف) کی خرجیوں کی تلاشی شروع کی، اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کی خرجی سے نکال لیا، ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی تھی (مصر کے) بادشاہی قانون میں اسے اجازت نہ تھی کہ (چوری کے بدلے) اپنے بھائی کو روک رکھے مگر یہ کہ خدا چاہے۔ ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی، جی میں کہا تم بدتر جگہ ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں بتاتے ہو۔''

چوری کا اشارہ حضرت یوسف کی طرف تھا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت اسحاقؑ کا ایک کمر بند بطور تبرک چلا آ رہا تھا جو بڑی اولاد کے پاس رہتا تھا چنانچہ یہ کمر بند حضرت یعقوبؑ کی بڑی بہن کے پاس تھا یعنی حضرت یوسف کی پھوپھی کے پاس کیونکہ حضرت یوسف کی والدہ بچپن میں فوت ہوگئی تھیں اس لئے حضرت یعقوبؑ نے بہن کو دے دیا تھا اور انہوں نے آپ کو پالا تھا .... ایک تو آپ کی پھوپھی تھیں اور پھر آپ نے پالا بھی تھا اس لئے حضرت یوسف سے آپ کو بے پناہ محبت ہوگئی تھی .... جب حضرت یوسف کچھ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوبؑ نے اپنی بہن سے واپس لینا چاہا،

حضرت یوسف نے روک لیا .... بھائیوں نے بہت الحاح وزاری کی اور کہا کہ بنیامین کے کسی اور بھائی کو رکھ لیں مگر حضرت یوسف نے بھائیوں کے قول کے مطابق عمل کیا اور بنیامین ہی کو روک لیا۔

ترجمہ:

''بھائی بولے اے عزیز! اس کے ایک باپ ہیں بڑے بوڑھے، تم ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ لے لو بے شک ہم تمہارے احسان دیکھ رہے ہیں (یوسف نے) کہا خدا کی پناہ کہ ہم کسی اور کو لیں مگر اسی کو جس کے پاس ہمارا مال ملا (اگر کسی اور کو لیا تو) جب تک ہم ظالم ہوں گے''

اس واقعہ نے روبیل نامی بھائی کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے کہا .... کیا تم اپنے باپ سے وعدہ کر کے نہیں آئے تھے کہ ہم بحفاظت اس کو واپس لائیں گے؟ اس لئے تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا، یہیں مصر میں رہوں گا .... چنانچہ روبیل مصر ہی میں رہے۔

ترجمہ:

''تو اول (برادران یوسف) کی خرجیوں کی تلاشی شروع کی، اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کی خرجی سے نکال لیا، ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی تھی (مصر کے) بادشاہی قانون میں اسے اجازت نہ تھی کہ (چوری کے بدلے) اپنے بھائی کو روک رکھے مگر یہ کہ خدا چاہے۔ ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے تو بے شک اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی، جی میں کہا تم بدتر جگہ ہو اور اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں بتاتے ہو۔''

بہن کو حضرت یوسف کی جدائی گوارا نہ تھی اس لئے انہوں نے اس حیلہ سے ایک سال اور آپ کو اپنے پاس رکھ لیا .... وہ مقدس کمر بند حضرت یوسف کی کمر میں باندھ دیا اور مشہور کر دیا کہ کمر بند گم ہوگیا، تلاش شروع ہوئی تو وہ کمر بند حضرت یوسف کی کمر میں بندھا ہوا تھا نکلا چنانچہ ملک شام کے قانون کے مطابق اس بہانے سے آپ کی پھوپھی نے آپ کو ایک سال اور رکھ لیا .... برادران یوسف نے آپ کی طرف چوری کا جو اشارہ کیا وہ یہی تھا۔ ایک اور روایت یہ ہے حضرت یوسف کے نانا کا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے حضرت یوسف کو بچپن ہی سے بت پرستی سے سخت نفرت تھی چنانچہ حضرت یوسف نے وہ بت اٹھا لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہیں غلاظت کے اندر ڈال دیا .... حقیقت میں یہ چوری نہ تھی بلکہ بت پرستی کا مٹانا تھا، حضرت یوسف نے اپنے پردادا حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر عمل فرمایا جنہوں نے بت خانہ میں جا کر بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ برادران یوسف کا اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے .... بہر حال بنیامین کو

پھر اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ ان کا بڑا بھائی بولا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا؟ اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے بارے میں کیا خطا کی تو میں یہاں سے نہ ٹلوں گا۔ یہاں تک کہ میرے باپ مجھے فرمائیں یا اللہ حکم دے اور اس کا حکم سب سے بہتر ہے .... اپنے باپ کی طرف لوٹ کر جاؤ اور پھر عرض کرو، اے ہمارے باپ بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو اتنی بات کے گواہ ہوئے تھے جتنی ہمارے علم میں تھی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور اس بستی سے پوچھ دیکھئے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے اور ہم بیشک سچے ہیں۔

اور باقی نو بھائی غلہ لے کر کنعان چلے گئے اور کنعان پہنچ کر حضرت یعقوبؑ کو اس سانحہ کی خبر سنائی اور سارا واقعہ بیان کیا .... حضرت یعقوبؑ بنیامین کی جدائی پر صبر کر لیا جس طرح حضرت یوسف کی جدائی پر صبر فرمایا تھا اور فرمایا۔

ترجمہ:

"(یعقوب نے) کہا تمہارے جی نے یہ بہانہ بنایا ہے، تو اچھا صبر ہے، امید ہے اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے۔ بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔"

حضرت یعقوبؑ نے شدت غم میں برادران یوسف سے منہ پھیر لیا، روتے رہے مگر مایوس نہ ہوئے اور بیٹوں سے فرمایا۔ جاؤ بھائیوں کو تلاش کرو میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔

ترجمہ:

"(یعقوب نے) ان سے منہ پھیرا اور کہا، ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر اور سا کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں تو وہ غصہ کھاتا رہا........ بیٹے بولے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کے گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔ (یعقوب نے) کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کی بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ"

چنانچہ یہ سب بھائی تیسری بار پھر مصر آئے........ ان کے پاس تھوڑی بہت پونجی تھی، مسکینی کا عالم تھا، کھوٹے سکے لے کر آئے جن کو کوئی تاجر قبول نہ کرتا........ جب یہ بھائی مصر پہنچے اور حضرت یوسفؑ کے سامنے آئے اور یہ عرض کیا کہ ہم یہ تھوڑی بہت پونجی لائے ہیں آپ اس کے عوض غلہ بھی دیں اور کچھ صدقہ و خیرات بھی کریں........ حضرت یوسفؑ مسکرانے لگے اور فرمایا یوسف کا کیا حال ہے؟........ آپ کی دانتوں کی چمک دیکھ کر برادران یوسف پہچان گئے اور کہا........ کیا سچ مچ تم یوسف ہی ہو؟........ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے اپنے سر سے تاج اتار کر اپنی پیشانی کا تل بھی انہیں دکھایا اس سے وہ آپ کو پہچان گئے اور بہت نادم و شرمسار ہوئے اور حضرت یوسفؑ کی فضیلت کو دل سے تسلیم کیا........ حضرت یوسف نے پے در پے بے وفائیوں کے باوجود حیرت انگیز دریا دلی کا مظاہرہ فرمایا اور سب بھائیوں کو معاف کر دیا۔

ترجمہ:

"پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے۔ بولے۔ اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی اور بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں اور آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے بے شک اللہ خیرات والوں کو صلہ دیتا ہے۔ (یوسف نے کہا) کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ جب تم نادان تھے۔ بولے کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں؟ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی۔ بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا، بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا، بولے بے شک خدا نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بے شک ہم خطاوار تھے (یوسف نے) کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کردے اور وہ سب لوگوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے ماضی کے تلخ ترین واقعات کو نہ یاد دلایا نہ طنز و لعن طعن کیا، اس طرح درگزر فرمایا گویا کہ یہ واقعات ہوئے ہی نہ تھے........ اور قرآن حکیم کی اس ہدایت پر عمل فرما کر دنیا کو حیران کر دیا۔ اور حضور انور ﷺ کی سنت پر اس وقت عمل فرمایا جب آپ دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے۔

ترجمہ:

"اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی، اے سننے والے! برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جب کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑا نصیبے والا"

اللہ نے پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم اپنے بھائیوں کے کرتوت ان کو جتاؤ گے۔

ترجمہ:

"اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتائے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔"

حضرت یوسفؑ نے تو اپنے گیارہ بھائیوں کو معاف فرمایا لیکن حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر تمام برادران وطن کو معاف کر دیا........ یہ عظیم مثالیں ہمارے سامنے ہیں، ہم کو ان مثالوں کو سامنے رکھ کر عفو و درگزر کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے، عفو و درگزر ہی سے اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو سکتی ہے........ لیکن صورتحال یہ ہے کہ خانقاہوں میں، مسجدوں میں، مدرسوں میں، بازاروں میں، شہروں میں، گھروں میں، فساد ہی فساد ہے، سب آپس میں دست بگریبان ہیں........

حضرت یوسفؑ نے ان بھائیوں کو معاف فرمایا جو آپ کی عزت و ناموس اور جان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے........ حضور اکرم ﷺ نے بھی جان کے پیاسوں کو معاف فرما کر اپنا جانثار بنایا........ کیا یہ نمونہ ہمارے لئے کافی نہیں؟........ حضرت یوسفؑ نے سچ فرمایا........ نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے........ ہم نفس کے جنجال میں پھنسے ہوئے ہیں، ہمیں اس جنجال سے نکل جانا چاہئے، ہمت کی ضرورت ہے، حوصلہ کی ضرورت ہے، کچھ کر گزرنے کی ضرورت ہے........ حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اس خاتون کو جو سارے شہر میں آپ کی بدنامی کا سبب بنیں اپنی رفیقہ حیات بنا کر یہ بتا دیا کہ صلاح اور فلاح معاف کرنے ہی کے اندر ہے........ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:

اور بے شک جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں"

ہاں جب راز کھل گیا تو حضرت یوسفؑ نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کے لئے اپنی قمیض بھیجی........ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جنت کی یہ وہی ریشمی قمیض تھی جو جبرئیل حضرت ابراہیمؑ کیلئے لائے تھے اور آگ میں ڈالنے سے پہلے آپ کو پہنا دی تھی، پھر یہ قمیض حضرت اسماعیلؑ سے حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسحاقؑ سے حضرت یعقوبؑ کو ملی۔

حضرت یوسفؑ نے یہ قمیض اپنے بھائیوں کو دی اور فرمایا کہ والد ماجد کے چہرے پر ڈالنا بینائی آ جائے گی........ حضرت یوسفؑ کو یقین تھا کہ چہرے پر قمیض ڈالتے ہی حضرت یعقوبؑ کی بے نور آنکھوں میں نور آ جائے گا۔

ترجمہ:

"میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے باپ کے منہ پر ڈالو اس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لاؤ۔ جب قافلہ مصر سے نکلا تو یہاں اس کے باپ نے کہا، بے شک یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔ بیٹے بولے، خدا کی قسم آپ اپنی اس پرانی خود رفتگی میں ہیں۔ پھر جب خوشی سنانے والا (یہودا) آیا، اس نے وہ کرتا یعقوبؑ کے منہ پر ڈالا اسی وقت اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

اس میں شک نہیں جو کپڑے یا جو چیز بھی اللہ کے محبوبوں کے جسم سے مس ہو جائے وہ بھی فیض سے خالی نہیں ہوتی جس طرح حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مبارک جسموں سے مس ہونے والی چیزوں کو یہ منزلت حاصل ہوئی کہ ان تبرکات کو لکڑی کے صندوق میں محفوظ کر دیا گیا جس کو تابوت سکینہ کہا جاتا تھا۔ یہ صندوق جہاں جاتا اپنی برکتیں ساتھ لے کر جاتا اور اس کو اللہ کے فرشتے اٹھاتے تھے........ حضرت ابراہیمؑ سے مس ہونے والے پتھر کو یہ عزت ملی کہ وہ بیت اللہ شریف کے دروازے کے بالکل سامنے رکھا گیا، اس کو چھ ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا لیکن یہ محفوظ چلا آ رہا ہے........ حضرت جبرئیل کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے مس ہونے والی خاک کی یہ شان ہے اس میں سے زندگی کے چشمے ابل رہے تھے، سامری نے اس خاک کو دھات کے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈالا تو وہ بولنے لگا........ حضرت اسماعیلؑ کے مبارک قدموں سے مس ہونے والی زمین سے پانی ابل پڑا، یہی پانی جس کو زم زم

شریف کہا جاتا ہے دنیا کے گوشے گوشے میں بطور تبرک لے جایا جاتا ہے........ ہزاروں سال ہو گئے، ختم نہیں ہوتا........ حضرت ایوبؑ کے مبارک قدموں کے ضرب سے زمین سے ٹھنڈا پانی ابل پڑا۔ قرآن کریم میں ایسے بہت سے تبرکات اور معجزات کا ذکر ہے........ اللہ تعالیٰ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں........ ان تبرکات کا کیا مقصود ہے اور ان معجزات میں کیا حکمت ہے؟........ مقصد و حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا دل اللہ کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوبوں سے بھی وابستہ رہے........ اللہ کو دیکھا نہیں ان کو دیکھ کر ہم کو اللہ کی عظمت و قدرت کا صحیح احساس و ادراک ہوتا ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ محبوب و غیر محبوب برابر نہیں........ یہی احساس ایمان کو جلا دیتا ہے اور دنیا میں ہی بے آسرا انسانوں کو آسرا مہیا کرتا ہے اور ایمان کو قائم و دائم رکھتا ہے۔

بہر حال عرض کرنا تھا کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنی قمیض عطا فرمائی اور لے جانے کا حکم دیا تو حضرت یوسفؑ کے بھائی یہودا نے یہ سعادت حاصل کی، وہ قافلے کے آگے آگے حضرت یوسفؑ کی قمیض اٹھائے دوڑے چلے جا رہے تھے انہوں نے کہا۔

بھائی حضرت یوسفؑ کی خون بھری قمیض بھی میں ہی لے کر گیا تھا، میں نے ہی اپنے والد صاحب کو موت کی خبر سنائی تھی، میں نے ہی ان کو غمگین کیا تھا........ آج یہ قمیض بھی میں ہی لے کر جاؤں گا اور اپنے بھائی یوسفؑ کی زندگی کی خوشخبری بھی میں ہی سناؤں گا........ اور یہودا خوشی اور مسرت میں برہنہ سر اور برہنہ پا اسی لگن میں دوڑتے دوڑتے آئے، راستے میں کھانے کے لئے دو روٹیاں ساتھ لائے تھے، فرطِ مسرت میں وہ بھی پوری نہ کھا سکے کیونکہ انتہائی خوشی اور شدتِ غم سے انسان کی بھوک اڑ جاتی ہے۔

قمیض لے کر قافلہ جس وقت مصر سے روانہ ہوا تو آٹھ دن کے فاصلے کی راہ سے خداوند تعالیٰ کے حکم سے ہوا اس قمیض کی خوشبو لے کر اڑی اور حضرت یعقوبؑ تک اس کو پہنچایا........ یہودا ابھی قمیض لے کر نہیں پہنچے تھے کہ حضرت یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے........ انہوں نے کہا........ آپ تو یوسف کے عشق میں از خود رفتہ ہوئے چلے جا رہے ہیں........ اس واقعے سے محسوس ہوتا ہے کہ برادران یوسف جب تیسری بار غلہ لینے اور حضرت یوسفؑ اور بنیامین کی تلاش میں نکلے تو شاید سب بھائی نہیں گئے تھے بلکہ کچھ بھائی گھر میں رہ گئے تھے انہی سے حضرت یعقوبؑ نے اپنے دل کی بات کہی ہو گی مگر ان بھائیوں کو نہیں معلوم تھا کہ راز کھل چکا ہے اور ان کا منصوبہ خاک میں مل چکا ہے، غروب ہونے والا آفتاب پھر طلوع ہو چکا ہے اور نصف النہار تک پہنچ چکا ہے........ اندھیریاں چھٹ چکی ہیں ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو چکا ہے........ یہودا جب حضرت یوسفؑ کی قمیض لے کر گھر پہنچے اور یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالا تو چھ برس کی گئی ہوئی بینائی آن کی آن میں لوٹ آئی........ محبت ہی میں بینائی گئی تھی محبت ہی میں آ گئی، بس فراق و وصال کا فرق ہے، یہ حضرت یوسفؑ کا معجزہ تھا........ وہ تختِ شاہی پر جلوہ فرما ہونے سے پہلے ہی منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے........ حضرت یعقوبؑ دونوں بیٹوں کی خبر پا کر کتنے خوش ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے بیٹوں کی جدائی کا غم کھایا ہو، جس کا دل فراق اور جدائی کی انگاروں پر لوٹا ہو، جس نے سچی محبت کا مزا چکھا ہو........ حضرت یعقوبؑ کی بینائی آ گئی تو انہوں نے یہودا سے پہلا سوال یہ کیا۔

یوسف کا کیا حال ہے؟

یہودا نے جواب دیا! ''وہ مصر کے بادشاہ ہیں''

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ''میں بادشاہت کو کیا کروں تم نے اس کو کس دین پر چھوڑا''

''دین اسلام پر چھوڑا''

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ''اب نعمت پوری ہو گئی''

حضرت یعقوبؑ کو جدائی کا غم تو تھا ہی مگر اب یہ بھی غم دامن گیر ہو گیا کہ مصر کے لوگ بت پرست تھے کہیں وہ حضرت یوسفؑ کی عقائد پر اثر انداز نہ ہوئے ہوں خصوصاً بادشاہت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد، جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ دین اسلام پر فائز ہیں بلکہ منصب رسالت و نبوت پر فائز ہیں تو آپ کو بے انتہا خوشی ہوئی........ قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کے ملنے اور ان کے منصب شاہی پر فائز ہونے کی کچھ فکر نہ تھی فکر تھی تو دین و ایمان کی، بے شک اولوالعزم حضرات کی نظر میں بادشاہت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ان کی نظر میں دین و ایمان ہی سب کچھ ہے........ یہ ہے تو سب کچھ ہے، یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے التجا کی کہ ان کے گناہوں کی تلافی کے لئے پروردگار عالم کے حضور بخشش کی دعا کی جائے........ حضرت یوسفؑ جب تک مصر نہ پہنچے بیٹوں کی بخشش کی دعا نہ کی، پھر مصر پہنچ کر جمعہ کی رات یا فجر میں نماز تہجد کے بعد قبلہ رو ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پیچھے بٹھایا ان کے پیچھے سب بیٹوں کو پھر دعا فرمائی، سب آمین کہتے رہے۔

ترجمہ:

''(یعقوب نے) کہا، میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ کی وہ شان معلوم ہے جو تم نہیں جانتے........ (بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے، بے شک ہم خطاوار ہیں (یعقوب نے کہا) جلد تمہاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا بے شک وہی بخشنے والا ہے۔''

چنانچہ حضرت یوسفؑ نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوبؑ اور تمام اہل و عیال کو بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سواریاں اور بہت سا ساز و سامان بھیجا، حضرت یعقوبؑ نے اپنے تمام بیٹوں اور تمام اہل و عیال کو جمع کیا، روانگی کی تیاریاں شروع کیں، آپ کے اہل و عیال کی کل تعداد بہتر تہتر نفوس پر مشتمل تھی یا ایک سو کے اندر اندر........ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ برکت عطا فرمائی کہ ان کی نسل اتنی بڑھی کہ جب حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بنی اسرائیل (یعنی اولاد یعقوب) مصر سے نکلی تو چھ لاکھ سے زیادہ تھی باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ کا زمانہ حضرت یعقوبؑ سے صرف چار سو سال پہلے کا ہے۔

مختصر یہ جب حضرت یعقوبؑ مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسفؑ جو اب مصر کے بادشاہ تھے سابق شاہ مصر ریان بن ولید عملیقی، سرداروں اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر والد ماجد کے استقبال کے لئے سینکڑوں ریشمی پھریری اڑاتے اور قطار باندھے روانہ ہوئے، حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یہودا کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے (یہ یہودا وہی بیٹے ہیں جو حضرت یوسفؑ کی خون آلود قمیض اپنے والد کے پاس لے کر گئے تھے پھر یہی حضرت یوسفؑ کی معجزاتی قمیض لے کر گئے۔ جس کو حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بے نور آنکھیں روشن ہو گئیں) جب حضرت یعقوبؑ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ صحرا زرق برق سواروں سے پٹا پڑا ہے، فرمایا! اے یہودا! کیا یہ فرعون مصر ہے۔ جس کا لشکر اس شان و شوکت سے آ رہا ہے؟........ عرض کیا گیا نہیں یہ حضرت کے فرزند یوسف ہیں حضرت جبرئیل نے آپ کو متعجب دیکھ کر عرض کیا، ہوا کی طرف توجہ فرمائیے آپ کی خوشی میں ملائکہ حاضر ہوئے ہیں جو مدتوں آپ کے غم میں روتے رہے ملائکہ کی تسبیح، گھوڑوں کے ہنہنانے اور طبل و بگل کی آوازوں نے عجب سماں باندھ دیا تھا........ آج محرم الحرام کی دس تاریخ تھی........ جب حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ قریب ہوئے تو حضرت یوسفؑ نے سلام کرنے کا ارادہ کیا، حضرت جبرئیل نے عرض کیا، آپ توقف کیجئے اور والد ماجد کو سلام میں پہلے کرنے دیجئے چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔

''اے غموں کو مٹانے والے تم پر سلامتی ہو''

حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ نے سواریوں سے اتر کر معانقہ کیا خوب روئے، پر اس مزین اور شاہی خیمے میں

داخل ہوئے جو پہلے ہی سے آپ کے استقبال کے لئے نصب کر رکھا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اتنے طویل عرصے جدائی کے بعد ملاقات کے وقت ماضی کی تلخ باتیں نہیں سنائیں کہ بھائیوں نے کس طرح مارا پیٹا، کنوئیں میں ڈالا، قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا، پھر بازار مصر پر فروخت کیا گیا، الزام لگایا گیا، قید میں ڈالا گیا وغیرہ وغیرہ بلکہ آپ نے پچھلی باتیں درگزر فرما کر ہنسی خوشی باتیں کیں، اس سے آپ کے کمال تحمل و بردباری کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہرحال یہ داخلہ حدود مصر میں تھا، پھر جب شہر کی حدود میں داخل ہوئے اور حضرت یوسفؑ معہ اپنے والد ماجد حضرت یعقوبؑ اور بھائیوں کے قافلہ میں داخل ہوئے اور حضرت یوسفؑ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے، تخت پر اپنے والد محترم اور بھائیوں کو بٹھایا، سب کے سب حضرت یوسفؑ کے آگے جھک گئے اور سجدہ تعظیمی بجالائے۔

ترجمہ:

''پھر وہ سب جب یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف نے) اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ مصر میں داخل ہو اللہ چاہے تو امان کے ساتھ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدہ میں گرے (تو یوسف) نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک اسے رب نے سچا کیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو دیہات سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرا دی تھی، بے شک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کر دے۔ بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔''

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک سجدہ تعظیمی جائز تھا پھر شریعت محمدی میں حرام قرار پایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ملک شام تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں کو سجدہ تعظیم کرتے پایا......... جب واپس لوٹے تو آپ نے حضور ﷺ کو سجدہ تعظیم کیا، حضور انور ﷺ کے استفسار پر بتایا کہ ملک شام کے لوگ ایسا کرتے ہیں......... حضور انور ﷺ نے منع فرمایا......... پچھلی شریعتوں میں بجائے سلام سجدہ تعظیمی جائز تھا پھر منسوخ کر دیا گیا ہے......... مشہور و معروف عالم مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر بہت ہی محققانہ مقالہ لکھا ہے (جس کا اکثر اہل علم کو پتا نہیں، یہ قابل مطالعہ بھی اور لائق اشاعت بھی)

تعظیم اسلامی معاشرہ کی ایک عظیم علامت ہے......... انبیاء کی تعظیم، اولیاء اللہ کی تعظیم، اولی الامر کی تعظیم، والدین کی تعظیم......... قرآن کریم میں تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے، مغربی دنیا نے اسلامی تصور کی نفی کی، انبیاء کی شان میں بے ادب کیا، اہل اللہ سے بیزار کیا، اولیاء اللہ سے بغاوت سکھائی، بزرگوں کی نافرمانی پر آمادہ کیا اور والدین کا نافرمان بنایا......... فکر و خیال کی یہ جنگ ایک دو صدیوں سے جاری ہے، شاید ہمیں اس کا احساس نہیں......... حضرت یوسفؑ کے بھائیوں اور والدین کا جھکنا اولی الامر کی تعظیم کی نشاندہی کرتا ہے، ایسے اولی الامر جو امانت داری اور رعیت کی پرورش میں مخ.....ص ہوں، اللہ اور رسول کے نافرمان نہ ہوں، حضرت یوسفؑ کا والدین کی عزت کرنا والدین کی تکریم کی نشاندہی کرتا......... یہ اسلامی شعائر ہیں اسی سے معاشرے میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، بے ادبی سرکشی اور بغاوت سے معاشرہ بد سے بدتر ہوتا چلا جاتا ہے، خواہ ظاہری طور پر وہ کتنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہو، اندر سے دیمک لگ چکی ہوتی ہے، جہاں سب بے چین رہتے ہیں، کسی کو چین نصیب نہیں ہوتا۔

جب حضرت یوسفؑ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہو چکے اور سب نے آپ کے حضور سجدہ تعظیم کر لیا تو آپ نے فرمایا۔

''ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا، بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا بھائیوں میں جدائی کے بعد آپ سب کو دیہات سے لا کر شہر میں آباد کیا، بے شک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کرے، بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔ اے میرے رب! تو نے مجھے سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے باتیں بتانے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کام بنانے والا ہے۔ مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں''

حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ اور بھائیوں کے ملک شام کے دیہات کنعان سے نقل مکانی کر کے شہر میں آباد کئے جانے کو اللہ کا احسان قرار دیا، اس سے معلوم ہوا کہ شہریوں کو دیہاتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے فرمایا۔

ترجمہ:

''اور ہم نے جتنے رسول تم سے پہلے بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے رہنے والے تھے''

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ دیہاتیوں، جنات اور عورتوں میں سے کبھی کوئی نبی نہیں کیا گیا، دیہات میں نبی بھیجا بھی تو اس کو شہر میں لا کر آباد کیا۔

حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے آپ شہریوں کو نماز میں پہلی صف میں کھڑا کرتے اور دیہاتیوں کو دوسری تیسری صف میں اس طرح آپ نے شہریوں کو دیہاتیوں کا مربی بنایا اور اپنے عمل سے یہ بتایا کہ شہریوں کو چاہئے کہ دیہاتیوں کی تربیت کریں اور ان کے احوال سے غافل نہ ہوں بالعموم شہری متمدن، مہذب اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، غیر متمدن اور غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ افراد کو متمدن، مہذب اور تعلیم یافتہ افراد پر فوقیت دینا غیر فطری بھی ہے اور غیر معقول بھی، اسلام دین فطرت ہے، اور عقل و حکمت کا دین بھی......... حضور ﷺ نے شہریوں کو دیہاتیوں کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا، اس لئے ان کو بے خبر نہ رہنا چاہئے.........ساری خرابی خود غرضی اور نفس پرستی سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے پاس مصر میں نہایت ہی عیش و آرام کے ساتھ چوبیس سال رہے......... وصال کے قریب آپ نے یوسفؑ کو وصیت کی کہ آپ کی میت ملک شام لے جا کر بیت المقدس میں آپ کے والد حضرت اسحاقؑ کی قبر شریف کے پاس دفن کی جائے، اس وصیت کی تعمیل کی گئی......... وصال کے بعد آپ کا جسد اطہر لکڑی کے تابوت میں بیت المقدس لایا گیا، اسی وقت آپ کے بھائی عیص کی بھی وفات ہو گئی، چنانچہ دونوں بھائیوں کو ساتھ ہی دفن کیا گیا، دونوں کی ولادت بھی ساتھ ہوئی تھی، دونوں کی عمریں ایک سو بیالیس سال تھیں......... جب حضرت یوسفؑ اپنے والد ماجد کو دفن کر کے مصر واپس لوٹے تو آپ نے دعا فرمائی۔

ترجمہ:

''اے میرے رب! بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا۔ آسمانوں اور زمین کے بنا.نے والے! تو دنیا و آخرت میں میرا کام بنانے والا ہے۔ مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔ (یعنی حضور انور ﷺ سے......... معراج میں یہ آرزو بھی پوری ہوئی)

حضرت یوسفؑ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد تیئس سال دنیا میں رہے اس کے بعد آپ نے وصال فرمایا......... اہل مصر کو آپ سے اتنی محبت تھی کہ ہر کوئی یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلے میں آپ کی تدفین ہو، آخر یہ طے پایا کہ آپ کو دریائے نیل میں دفن کیا جائے تاکہ آپ کے تابوت سے چھونے والا پانی سارے اہل مصر کو سیراب کرتا رہے چنانچہ آپ کو سنگ خارا یا سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریا میں دفن کر دیا گیا۔ چار سو برس دریائے نیل میں آپ کی قبر شریف رہی چار سو برس کے بعد حضرت موسیٰ نے آپ کا تابوت شریف نکال کر آپ کے آبائے کرام کے پاس بیت المقدس میں دفن کیا۔

دنیا کو امن صرف اسلام کے ذریعے مل سکتا ہے

دین فطرت کو قبول کرکے امن وسکون کی زندگی گزاری جاسکتی ہے، تحریر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد پی ایچ ڈی

دین فطرت کے لئے عالمی بیداری کی لہر نے اس کے مخالفین کو مجبور کیا کہ وہ ایسے باغیانہ مذہب کو ایجاد کریں جو دین فطرت کے اثرات کو زائل کردے اس ایجاد میں غلط کار مذہبی رہنماؤں کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے اور مذہب کے باغیوں کا بھی۔

دور جدید میں مذہبی رہنماؤں سے مایوس ہوکر انسان بہت ہی پستی میں چلا گیا جہاں سے بلند ہونا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے۔ البتہ اور پست ہونا آسان معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ریاست کیلیفورنیا کے مشہور شہر "فرانسسکو" کے ڈاکٹر "انتھونی لائی" نے شیطانی مذہب کا دعویٰ کیا اور انجیل الشیاطین کے نام سے ایک کتاب بھی شائع کی جس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ برائی اور غلط کام ایک مقدس عمل ہے، شیطان لائق عبادت اور قابل احترام ہے، معاذ اللہ، اس کی پرستش باعث عبادت ہے.......... ڈاکٹر لائی نے شیطان کی عبادت کے لئے ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا جس کا نام کلیسا یا معبد الشیطان رکھا۔ اس حقیقت کا اس وقت انکشاف ہوا جب رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۷ء میں مصری فوج نے قاہرہ میں چھاپہ مار کر اس مذہب کے ماننے والوں کو گرفتار کیا جن میں بیشتر اسکولوں، کالجوں کے طلبہ اور یہودی وعیسائی کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوان تھے۔

اس مذہب میں موسیقی کو مقدس سمجھا جاتا ہے، پوپ میوزک کا تعلق اسی سے ہے جو ہمارے معاشرے میں داخل ہوچکی ہے۔ یہ لوگ شناخت کے لئے چمڑے کے بنے ہوئے لباس پہنتے ہیں جن پر کھوپڑیوں کی خوفناک تصاویر اور زوردار جملے ہوتے ہیں۔ اکثر انسانی کھوپڑیوں پر ضرب کے نشان (X) کی صورت میں ہڈیاں درمیان میں ہوتی ہیں یہ ان کا مذہبی نشان ہے ان لوگوں کی چند نشانیاں یہ ہیں۔

۱...... لمبے لمبے بال رکھتے ہیں۔

۲...... ناخن بڑھانا کار ثواب سمجھتے ہیں

۳...... اپنے جسموں پر مختلف جنگلی جانوروں کی شکلیں یا اپنا مونوگرام بناتے ہیں۔

۴...... خواتین چہرے کو سیاہ رکھتی ہیں، گہرا سرخ رنگ استعمال کرتی ہیں۔

۵...... نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آزادانہ جنسی ملاپ کرتے ہیں۔

۶...... مخصوص طریقے سے آگ کی عبادت کرتے ہیں اور انجیل الشیاطین پڑھتے ہیں، جس میں شیطان کی مظلومیت کا ذکر ہوتا ہے۔

۷...... تبلیغ کے لئے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں میوزک کا پروگرام کرتے ہیں۔

۸...... بچوں کے قتل کو باعث اجر وثواب جانتے ہیں کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

مصری عالم شیخ نصر فرید نے اس مذہب کے لوگوں کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا جس کی ازہر یونیورسٹی قاہرہ کے شیخ الجامعہ سید طنطاوی نے تصدیق کی ہے۔

شیطانی مذہب کی تفصیلات آپ نے ملاحظہ کیں یہ نتیجہ ہے مذہبی رہنماؤں کی بداعمالیوں کا اور عالمی سطح پر دین فطرت کو نہ اپنانے کا اگر دین فطرت کو اس کی اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ اپنایا جاتا تو یہ حال نہ ہوتا۔ ایک اور خبر ملاحظہ فرمائیں۔

برطانیہ کی "جن اینڈ کمپنی" نے ایک کتاب شائع کی ہے، جس کا عنوان ہے God and Godesses یہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب اسلام آباد کے فرابلز انٹرنیشنل اسکول (Froebel`s International School) کے نصاب میں تھی اور اس احتیاط سے پڑھائی جاتی تھی کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ نصاب کی یہ کتاب طلبہ کو باہر لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس کتاب کا مقصد وحید بچوں کو اللہ کے خلاف بغاوت پر اکسانا، نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑانا اور اسلامی تصورات کے بارے میں پراگندہ کرنا ہے۔

ایک اور خبر ملاحظہ فرمائیں۔ انٹرنیٹ پر قرآن مجید کی چار جعلی سورتیں پیش کی جارہی ہیں جن کے نام اور مضامین دل سے گھڑ لئے گئے ہیں اور یہ سب کچھ بین الاقوامی سطح پر ہورہا ہے۔ سورتوں کے نام اور موضوعات یہ ہیں جن سے ان کے اغراض ومقاصد کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱...... سورۃ تجسد (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پندرہ آیات)

۲...... سورۃ الایمان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کے بارے میں دس آیات)

۳...... سورۃ المسلمون (گیارہ آیات میں توریت اور انجیل کو چھوڑنے والوں کے لئے وعیدیں اور حضور ﷺ کو گمراہ کرنے والا کہا گیا ہے (معاذ اللہ)

۴...... سورۃ الوصایا (سولہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین اور شریعت منسوخ کرنے کا مختار بنایا گیا ہے)

ایک اور خبر امریکہ کے ڈاکٹر شبیر احمد کی کتاب "دستک" سے معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ کلام اللہ کے الفاظ بدلے جارہے ہیں حروف تبدیل کئے جارہے ہیں اعراب گرائے جارہے ہیں آیات کے نمبر آگے پیچھے کئے جارہے ہیں یہاں تک کہ قرآن کریم کی سورتوں کے نام بدل کر نامانوس نام دیئے جارہے ہیں یہ سب کچھ خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز کے نام سے ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۰ء میں ملک فہد پرنٹنگ پریس مدینہ منورہ سے طبع ہونے والے مصحف المدینہ میں موجود ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ زمانہ جب اہل مغرب نے صحرائے طوفان کے عنوان سے عراق پر حملہ کیا تھا.......... مغرب کی یلغار اہل عرب کی جدید نگوی

،مسلمانوں پر بنیاد پرستی کے الزامات ، ملت اسلامیہ میں بیداری کے آثار اور رجوع الی القرآن کی مدھم آواز کے پس منظر میں اس تبدیلی کو سمجھنے میں دقت نہ ہوگی جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔

بہتر تو یہی تھا کہ دور جدید کے دانشور ''جارج برنارڈ شا'' کی اس پیشنگوئی پر غور وفکر کرتے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا لیکن اس کے برخلاف ایک تو وہ کوششیں کی گئیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا اور ایک یہ کوشش کی جارہی ہے کہ وحدۃ الادیان کا ایک جدید تصور پیش کیا گیا۔ یہود ونصاریٰ نے رسائل وجرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اسلام، عیسائیت، یہودیت میں سے کوئی سا بھی مذہب رکھتے ہوں اس بنیاد پر وحدۃ الادیان کے پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں یہ تینوں ادیان آسمانی صحائف پر مبنی ہیں......... اس کے لئے ان کی تجویز یہ ہے کہ یونیورسٹیوں، ہوائی اڈوں اور دیگر مقامات پر مسلمانوں کی مسجد، عیسائیوں کا گرجا اور یہودیوں کے ہیکل یکجا تعمیر کردیئے جائیں اور قرآن، توریت وانجیل کو ایک ہی جلد میں شائع کیا جائے......... بظاہر یہ خیال اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب عیسائیت و یہودیت دونوں اسلام سے ٹوٹ کر وجود میں آئی ہیں تو پھر کیوں نہ یہ دونوں اپنے گھر اسلام میں چلے جائیں......... اس کے علاوہ قرآن کریم تاریخ کی سب سے سچی کتاب ہے تو یہ توریت وانجیل کے ساتھ کیوں شائع کی جائے جب کہ ان کے نام ہی نام ہیں اور متن محققین کے لئے مشکوک ہے، جس میں انسانی تخلیقات بھی شامل ہیں۔

عرب دنیا میں تحریک وحدۃ الادیان کے خلاف کافی چرچا ہے۔ اخبار المسلمین کے متعلقہ صفحات میں ڈاکٹر محمد جیرال الفی نے لکھا ہے کہ جب وہ فرانس میں زیر تعلیم تھے تو وہاں اخوت ابراہیمی کے نام سے ایک تحریک چلائی گئی جس میں کہا گیا کہ مسلمان، عیسائی، یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معنوی اولاد ہیں اس لئے ان ادیان کے ماننے والوں کو ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانا چاہئے۔ یہی تحریک آگے چل کر وحدۃ الادیان کے نام سے سامنے آئی۔

دین فطرت کی چند جھلکیاں

دین فطرت اللہ کی رحمت ہے لیکن بہت سے انسانوں نے اس رحمت کو جانا نہ پہچانا......... جانا تو یہ جانا کہ

۱......... یہ ظالم وجابر ہے، یہ جنگ جو ہے، یہ خوں آشام ہے۔ (معاذ اللہ)

۲......... یہ عورتوں کو قید کرتا ہے، عورتوں پر ظالمانہ پابندیاں لگاتا ہے۔ (معاذ اللہ)

۳......... سود کو حرام کر کے معیشت تباہ کرتا ہے (معاذ اللہ)

یہاں سرسری طور پر انہی تین نکات پر روشنی ڈال کر ہم بتائیں گے کہ دین فطرت اسلام کتنا رواداری ہے، کتنا غمخوار ہے......... عورتوں پر کتنا مہربان ہے، کیسا رحیم وکریم ہے......... ڈوبتی معیشت کو کسطرح سنبھالا دے کر بام عروج تک پہنچایا کہ معاشرے میں کوئی مانگنے والا نہیں رہتا، سب دینے والے بن جاتے ہیں......... دین فطرت ایک نظریہ ہی نہیں ایک عظیم تجربہ ہے، جس پر دور قدیم اور دور جدید کی تاریخیں گواہ ہیں......... اصل بات یہ ہے کہ یہ عیاشیوں کو پسند نہیں کرتا، دنیا کے عیاش اس کو پسند نہیں کرتے اور اس کو تہہ و بالا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں......... ان کو یہ ڈر کھائے جاتا ہے کہ دین فطرت نافذ نہ ہو جائے۔ کہیں عیاشیاں ختم نہ ہو جائیں......... کہیں عدل و مساوات قائم نہ ہو جائے......... کہیں محبت کی عملداری نہ ہوجائے......... کہیں نفرتیں ختم نہ ہو جائیں......... کہیں مظلوموں کے ہاتھ ظالموں کے گریبان تک نہ پہنچ جائیں......... کہیں فریادیوں کی داد رسی نہ ہو جائے......... کہیں زیردست زبردستوں پر نہ چھا جائیں۔ کہیں غلام، آقا نہ بن جائیں......... کہیں بھیک مانگنے والے بھیک نہ دینے لگیں۔ کہیں غریبوں کو دین نہ مل جائے......... کہیں فقیروں کو آرام نہ مل جائے......... کہیں تڑپتے بھکوں کو کھانا نہ مل جائے......... کہیں سسکتے پیاسوں کو پانی نہ مل جائے......... کہیں بلکتے بچوں کو شیر مادر نہ مل جائے......... کہیں انسانیت کا بول بالا نہ ہو جائے......... کہیں ہمدردی نہ جاگ اٹھے......... کہیں سفاکی سوتی نہ رہ جائے......... کہیں خوں ریزیاں پامال نہ ہو جائیں......... انہیں اندیشوں نے عیاشوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں......... اس لئے ضروری ہے کہ دین فطرت اسلام پر جو الزام تراشیاں کی جاتی ہیں ان کی وضاحت کی جائے تاکہ دور جدید کا پڑھا لکھا انسان انصاف کر سکے، اپنی سوچ بدل سکے۔ کھرا اور کھوٹا الگ کر سکے......... یہاں دین فطرت اسلام کی صرف چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں جہاں تک دین فطرت اسلام کے جبر وظلم کا تعلق ہے تو میں عرض کروں گا کہ یہ ایسا رواداری ہے شاید تاریخ نے بھی ایسی رواداری نہ دیکھی ہو۔

دین فطرت اسلام میں رواداری کا جو عظیم تصور ہے وہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتا حتیٰ کہ دور جدید میں بھی نہیں ملتا، جو تہذیب وتمدن کا داعی ہے، راقم یہاں سرسری طور پر اسلام کے اس روشن پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ قارئین کرام حقائق کی روشنی میں یہ فیصلہ کرسکیں کہ جنگ جوئی اور مہم جوئی کے حوالے سے دین فطرت اسلام کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا وہ سراسر جھوٹ ہے، اور تاریخی حقائق پر مبنی نہیں۔

رواداری

دین فطرت اسلام میں رواداری کا جو عظیم تصور ہے وہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتا حتیٰ کہ دور جدید میں بھی نہیں ملتا، جو تہذیب وتمدن کا داعی ہے، راقم یہاں سرسری طور پر اسلام کے اس روشن پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ قارئین کرام حقائق کی روشنی میں یہ فیصلہ کرسکیں کہ جنگ جوئی اور مہم جوئی کے حوالے سے دین فطرت اسلام کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا وہ سراسر جھوٹ ہے، اور تاریخی حقائق پر مبنی نہیں۔

حضرت محمد ﷺ ۵۷۰ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے ۶۱۰ء میں دین فطرت اسلام کی طرف دعوت کا آغاز کیا اور اس کے نتیجے میں اپنے ہم وطنوں کے ظلم وستم سہے، یہاں تک کہ ۶۲۲ء میں وطن عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی

لیکن ہتھیار نہ اٹھائے لیکن آپ کے دشمنوں نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا اور مکہ معظمہ سے چار پانچ سو کلو میٹر کی مسافت طے کر کے مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں پے در پے حملے کئے۔ چنانچہ ۲ھ/ ۶۲۳ء میں غزوہ بدر پیش آیا۔ ۳ھ۔ ۶۲۵ء میں غزوہ احد پیش آیا۔ ۴ھ۔ ۶۲۵ء میں غزوہ بنوقینقاع پیش آیا۔ اور ۵ھ۔ ۶۲۸ء میں غزوہ خندق پیش ایا۔ یہ سارے حملے اہل مکہ نے کئے .... پھر حیران کن بات یہ ہے کہ ۶ھ۔ ۶۲۸ء حضرت محمد ﷺ بغیر کسی ہتھیار کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر مکہ کی طرف حج و عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے جہاں سے گزشتہ چار سال سے برابر حملے کئے جا رہے تھے، جو آپ کے دشمنوں کا مرکز تھا........ آپ نے اپنے عمل سے یہ بتا دیا کہ آپ جنگ نہیں، محبت چاہتے ہیں، کوئی فوجی جرنیل ایسا نہیں کر سکتا کہ جس شہر سے اس کے خلاف جنگ لڑی جا رہی ہو اس شہر میں وہ امن کا پیغام لے کر جائے........ بہرحال آپ مکہ کی سرحد حدیبیہ پر ٹھہر گئے اور اہل مکہ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت نہ دی اور ایک معاہدہ طے پایا جس کے نتیجے میں آپ کو حج و عمرہ کئے بغیر چار پانچ سو میل واپس جانا پڑا۔ آپ نے اس کوفت کو برداشت کیا اور اہل مکہ سے جھگڑا نہ کیا، اس سے آپ کے تدبر و تحمل اور قوت برداشت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۸ھ۔ ۶۳۰ء میں جب اہل مکہ نے اپنے عمل سے خود یہ معاہدہ توڑا تو آپ پوری تیاری کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور اس شہر کو فتح کیا مگر اس شان سے کہ تلواریں نیام میں رکھنے اور قتال سے ہاتھ روکنے کا حکم دے دیا گیا جو نہایت ہی حیران کن ہے ایسے موقعوں پر تو دنیا کے فوجی جرنیل اور بادشاہ اپنے دشمنوں کی لاشوں کے پشتے لگا دیا کرتے ہیں۔ کسی بے گناہ کو قتل نہیں کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا۔

آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ان آزاد ہونے والوں میں ہندہ نامی وہ خاتون بھی تھیں جنہوں نے غزوہ احد میں حضرت محمد ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کو اپنے غلام وحشی سے خنجر کے وار سے شہید کرایا اور آپ کے ایک ایک عضو کو علیحدہ کیا۔ حضرت محمد ﷺ کے سامنے آپ کے جگر کو چبایا اور کیا کچھ نہ کیا۔ ایسی عورت کو کون معاف کر سکتا ہے مگر حضرت محمد ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ اس سے آپ کی انتہاء درجہ کی وسعت قلبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۱ھ۔ ۶۳۲ء تک حضرت محمد ﷺ نے آٹھ نو سالوں میں اپنے دشمنوں سے جو جنگیں لڑیں ان میں دونوں جانب ایک ہزار سے زیادہ افراد شہید اور قتل نہ ہوئے، اتنے لوگ تو ہمارے بڑے شہروں میں سڑکوں پر ہر سال مر جاتے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، حضرت محمد ﷺ نے اتنا کم خون بہا کر کتنا بڑا انقلاب برپا کیا۔ اس تاریخی حقیقت پر غور و فکر کرنا چاہئے۔

اصل غلط فہمی ان آیات سے پھیلائی گئی جو ہنگامی نوعیت کی تھیں اور جن میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا یہ حکم ہر وقت کے لئے نہ تھا بلکہ ایک خاص وقت اور خاص صورتحال کے لئے تھا، اور ہے اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔

چونکہ مسلمان اپنے دشمنوں سے جنگ میں مصروف تھے اور قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، حضور ﷺ اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کر رہے تھے اور موقع محل سے اللہ کے احکام مل رہے تھے، اس قسم کی آیات میں انہیں کو قتل کرنے حکم دیا گیا ہے جو قتل کرنے کے لئے آئے تھے، دوسروں کو نہیں........ جب کہ اس دور میں تہذیب و ترقی کی دعویدار قومیں معصوم انسانوں کو بے دریغ قتل کر رہی ہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اسلامی جہاد یا اسلامی جنگ نہ زن کے لئے ہوتی ہے، نہ زر کے لئے اور نہ زمین کے لئے، اس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کے بندوں کو دین فطرت پر عمل کرانا اور انسانوں کی بھلائی کے لئے دین فطرت کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے کوئی کسی قوم کی عورتوں کو چھیننے یا اغواء کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، یا کسی کی دولت لوٹنے کے لئے جنگ کرتا ہے، یا کسی کی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، یا کسی کو خواہ مخواہ زیر کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، تو یہ دین فطرت میں حرام اور ناجائز ہے۔ ایسی جنگ کوئی بھی مسلمان لڑے وہ حرام ہے وہ ہرگز جہاد نہیں۔

دین فطرت میں جہاد بڑی مقدس جنگ ہے، اس جنگ میں جس رواداری سے کام لیا جاتا ہے، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ۱۱ھ۔ ۶۳۲ء میں حضرت محمد ﷺ کی طرف ایک لشکر بھیج رہے تھے، اسی سال آپ کا وصال ہوا، لشکر کو آپ نے جو ہدایات دی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، کسی کمانڈر نے اپنی فوج کو یہ ہدایات نہ دی ہوں گی، ملاحظہ فرمائیں، آپ نے فرمایا۔

۱...... وہاں تمہیں خانقاہوں میں گوشہ نشیں راہب ملیں گے خبردار ان سے تعرض نہ کرنا۔

۲...... دیکھو عورت، شیر خوار بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔

۳...... نہ کھجور یا دوسرا درخت کاٹنا، نہ کوئی عمارت مسمار کرنا۔

دور جدید میں تہذیب و تمدن کے دعویدار، عبادت گاہیں بھی تباہ کرتے ہیں، عابدوں کو بھی شہید کرتے ہیں، آن کی آن میں عورتیں، شیر خوار بچے اور بوڑھے سب قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ عمارتیں مسمار کر دی جاتی ہیں، گلشن ویران کر دیئے جاتے ہیں........ افسوس ہم دین فطرت کی رحمتوں سے محروم ہیں۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے بڑی دل لگتی بات کہی ہے۔

"مجموعی طور پر غیر مسلموں نے مسلمانوں کی حکومت میں جس شان کی رواداری سے لطف اٹھایا اس کی مثال یورپ میں اس جدید دور میں بھی نہیں ملتی۔"

عورت

دین فطرت نے خواتین کے بارے میں مردوں کو بہترین شعور دیا، عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا جس کی شہادت قرآن حکیم سے ملتی ہے........ برصغیر میں بیوہ عورت کو مردہ شوہر کے ساتھ جلا دیا جاتا تھا........ یورپ میں جادوگری اور بہت سے معمولی الزامات میں ہزاروں عورتوں کو زندہ جلا دیا گیا........ اس کی شہادت بھی تاریخ سے ملتی ہے۔ ہمارے دور میں تہذیب جدید کے متوالے اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں........ ایام جاہلیت میں لڑکی کی ولادت پر باپ منہ بسورا کرتے تھے جس کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے........ دین فطرت اسلام نے عورت کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچایا، اور یہ تصور دیا کہ جنت ماں کے پیروں تلے ہے، اسلام نے عورت کو عزت دی، معاشرے میں ایک مقام دیا، جو مال کی وارث نہ تھی بلکہ خود ورثہ میں شمار ہوتی تھی اس کو وارث بنایا، گھر کا مالک بنایا، ملکہ بنایا........ ماں کی

خدمت کو باپ کی خدمت پر تین گنا مقدم رکھا۔ ماں باپ کو بڑا وقار دیا، جبکہ جدید معاشرے میں ماں باپ کے لئے اپنے ہی اولاد کے گھر میں کوئی جگہ نہیں، یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، ان کی کفالت حکومت کرتی ہے، ان کی آبادیاں بھی الگ ہیں جہاں صرف بوڑھے ماں باپ رہتے ہیں، وہ اپنی اولاد کی خدمت اور محبت سے محروم ہیں۔ ایک ایک کو ترستے ہیں، دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔

دین فطرت اسلام نے ازدواجی تعلق کو مقدس بنایا، مستی نکالنے کا ذریعہ قرار نہ دیا، بلکہ محبت وقدرت کا وسیلہ قرار دیا، تاکہ معاشرے میں ٹھہراؤ پیدا ہو۔ گھر سکون وچین کا گہوارہ بن جائے اور فرد کی زندگی آرام سے گزر جائے...... بے آسرا اور بے کس بیوہ عورتوں کو بے بسی اور بیکسی کی زندگی سے نکال کر شادی کی ترغیب دی، حضرت محمد ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ سالہ بیوہ سے شادی کی اور کئی بیواؤں سے شادی کی 8 عورتوں پر شفقت فرمائی کہ ایسی شفقت نہ اس دور میں نظر آتی ہے اور نہ اس دور میں۔

دین فطرت نے محنت کو تقسیم کیا اور عورت و مرد کی ذمہ داریوں کو اس طرح متعین کیا کہ معاشرہ کسی قسم کی بے چینی کا شکار نہ ہو کیونکہ اصل چیز دولت وثروت نہیں سکون وچین ہے۔ دولت وثروت ایک ذریعہ ہے، وسیلہ کو مقصود نہ بنانا چاہئے...... اسلام نے خارجی ذمہ داریاں مرد کے سپرد کیں اور داخلی ذمہ داریاں عورت کے سپرد کیں، گویا وزارت خارجہ مرد کے پاس رکھی اور وزارت داخلہ عورت کے پاس۔ اگر وزارت داخلہ وزارت خارجہ میں مداخلت کرے یا وزارت خارجہ وزارت داخلہ میں تو حکومت نہیں چل سکتی اور امن وامان خواب بن کر رہ جاتا ہے......

جس معاشرے میں عورت و مرد دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں رہ کر محنت ومشقت کی وہ معاشرہ انتشار بے چینی کا شکار نہ ہوا...... پہلے معاشرے میں یہ خون ریزیاں کہاں تھیں؟...... یہ عصمت دریاں کہاں تھیں؟...... یہ خود غرضیاں کہاں تھیں؟...... یہ نفس پرستیاں کہاں تھیں؟...... یہ لوٹ مار، یہ قتل وغارت گری کہاں تھی؟...... مشہور مورخ ٹوئنبی نے لکھا ہے کہ معاشرے کی تباہی میں عورت کی بے لگام آزادی ایک اہم عنصر اور سبب ہے...... اور ڈاکٹر اقبال عورت کی ایسی آزادی جس میں ماں بننے کا جذبہ ہی مردہ ہو جائے انسانیت کے لئے موت قرار دیا ہے...... سچی بات یہ ہے کہ ہم دین فطرت پر چل کر ہی عالمی امن کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ ورنہ جس راہ پر ہم چل رہے ہیں اس سے پریشانیاں بڑھتی ہی جائیں گی اور امن وچین برباد ہوتا جائے گا۔

اسلام میں بعض جرائم کی سزا رکھی گئی کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ غلام کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت بتائی گئی۔ حضرت محمد ﷺ نے خود غلام خرید کر آزاد کرائے اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا۔ الغرض حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول وعمل سے ہم کو یہ بتادیا کہ غلامی کا قدیم طریقہ آپ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔

غلامی

حضرت محمد ﷺ کے دور میں غلامی کی جڑیں بڑی مضبوط تھیں۔ اس کو یک دم اکھاڑ پھینکنا ممکن نہ تھا اس لئے اسلام نے آقا اور غلام کی تمیز کو مٹا کر بتادیا کہ انسان، انسان سب برابر ہیں...... وہی برتر اور برگزیدہ ہے جو پاکباز اور راست گفتار ہو اور اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے احکام کی سب سے زیادہ پیروی کرتا ہو۔ خواہ وہ آقا ہو یا غلام۔

اسلام میں بعض جرائم کی سزا رکھی گئی کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے۔ غلام کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت بتائی گئی۔ حضرت محمد ﷺ نے خود غلام خرید کر آزاد کرائے اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا۔ الغرض حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول وعمل سے ہم کو یہ بتادیا کہ غلامی کا قدیم طریقہ آپ کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔

معاشیات

انسان کی فطرت ہے کہ وہ مال ودولت سے محبت کرتا ہے، ضرورت کے لئے چاہنا تو ایک فطرتی بات ہے مگر دولت سے خواہ مخواہ محبت کرنا اور جمع کرکے انبار لگانا صرف نفس کی خوشنودی کے لئے ایک نامعقول بات ہے۔ معاشرے کی ساری برائیوں کی جڑ دولت کی محبت ہے اس لئے دین فطرت اسلام نے اس محبت پر کاری ضرب لگائی، نفسیاتی ضرب یہ لگائی کہ ہر مسلمان کے لئے ایمان کی شرط یہ قرار دی کہ اس کو اللہ اور حضرت محمد ﷺ سے زیادہ نہ اپنے والدین سے محبت ہو، نہ اپنے بھائیوں سے محبت ہو، نہ اپنی بیویوں سے محبت ہو، نہ اپنے رشتہ داروں سے محبت ہو، نہ اپنے مال و دولت سے محبت ہو، نہ اپنی تجارت و زراعت سے محبت ہو، نہ اپنے مکانات و محلات سے محبت ہو...... گویا اللہ اور حضرت محمد ﷺ کی محبت کے آگے ساری محبتیں ہیچ ہیں، یہ بات نظری تھی آپ کے ساتھیوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا اور آپ کی پیروی میں ہزاروں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور کر رہے ہیں، تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے...... اس کے علاوہ دین فطرت اسلام میں دولت خرچ کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ جمع کرنے سے خواہ مخواہ محبت ہونے لگتی ہے پھر انتہائی ضرورت کے وقت نہ اپنے اوپر خرچ کیا جاتا ہے نہ دوسروں پر، مال ودولت کے ہونے سے معاشرے کے بعض لوگ تنگی وعسرت کا شکار رہتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے جب حضرت محمد ﷺ نے مال خرچ کرنے کی ہدایت کی تو لوگوں کو خرچ کرنے کی اتنی عادت ہوگئی کہ بار بار پوچھتے تھے کہ کیا خرچ کریں؟ کیا خرچ کریں؟ جس کا جواب یہ ملا کہ جو ضرورت سے زیادہ بچ گئے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردو۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ خواہ مخواہ زمین قبضے میں نہ رکھو، کاشت نہ ہو سکے دوسرے بھائی کو دے دو، کیسی اچھی نصیحت کی یعنی اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم رکھے...... یہ نہایت اعلیٰ اخلاقی قدر ہے...... حضرت محمد ﷺ نے اپنے پاس کچھ نہ رکھا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا...... چھوٹا سا کچا

مکان ایک پہننے کا جوڑا، ایک سادہ سا بستر اور دو تین برتن......... آپ کے طرز زندگی سے ہر انسان آپ کے اخلاص وایثار کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

دین فطرت اسلام نے ایک ت فرد کو خرچ کرنے کی عادت ڈالی دوسری طرف اسراف وتبذیر سے روکا یعنی جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں ضرورت سے زیادہ نہ خرچ کرنا اور جہاں ضرورت ہی نہیں وہاں بالکل خرچ نہ کرنا، لیکن نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لئے بالکل نہیں روکا۔ اسراف وتبذیر سے بچنے سے معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ مضبوط ہوتا ہے اس لئے حضرت محمد ﷺ اور خلفاء راشدین نے نجی اور سرکاری سطح پر سادگی اختیار کی اور سرکاری پروٹوکول تو بالکل ختم کر دیا کیونکہ اس پر بے فائدہ اور بے سود پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے سادگی کی ترغیب دی، اس کی بڑی اقتصادی اہمیت ہے سود کی حرمت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس سے اقتصادی ڈھانچہ ہل کر رہ جاتا ہے اس کے علاوہ بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد ایک جماعت دوسری جماعت ایک حکومت دوسری حکومت اور ایک ملک دوسرے ملک کا دست نگر ہو جاتا ہے۔ قرض لینے والے کا اختیار واقتدار سلب ہو کر رہ جاتا ہے اور نہ چاہنے کے باوجود دوسروں کے قبضے میں چلا جاتا ہے۔

دین فطرت اسلام نے کوشش پر زور دیا کیونکہ یہی اقتصادیات میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ کوشش، سعی پر اس حد تک زور دیا کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا جس کے دو دن یکساں گزر گئے وہ نقصان میں ہے۔ اور فرمایا کہ ''مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں سے الگ رہے یعنی جن کاموں سے نفع کی کوئی امید نہ ہو ان میں مشغول نہ ہو۔ اسلام کا نظریہ افادیت وانتفاعیت نہایت ہی اہم ہے۔ اسلام کی نظر میں فرد صرف منہ لے کر پیدا نہیں ہوتا بلکہ بہترین دماغ، آنکھیں اور ہاتھ پیر بھی لے کر پیدا ہوتا ہے حکومت کا کام یہ ہے کہ اس کی نشو ونما کے لئے وسائل فراہم کرے نہ کہ یہ کوشش کرے کہ فرد دنیا ہی میں نہ آئے کیونکہ وہ تو ایک عظیم ہستی ہے۔ کسی کارخانے میں بہترین مال بنتا ہو تو اس کی نکاسی کے لئے منڈیاں تلاش کی جاتی ہیں نہ کہ مال کی پیداوار پر روک لگائی جاتی ہے......... ناکام حکومتیں روک لگاتی ہیں، کامیاب حکومتیں تو پیداوار اور بڑھاتی ہیں۔

اور دور جدید میں تو فرد سیاسی اہمیت اختیار کر گیا ہے، اس کے فیصلے پر حکومتیں بنتی اور بگڑتی ہیں......... دین فطرت اسلام نے اقتصادیات کے ایسے گر بتا دیئے کہ اس پر عمل کر کے کوئی معاشرہ اقتصادی طور پر تباہ ہو ہی نہیں سکتا، جب بھی اس پر عمل کیا گیا کامیابیوں نے قدم چوما......... یہ تھیں دین فطرت اسلام کی چند جھلکیاں۔ اس موضوع پر تفصیل وتحقیق سے لکھا جائے تو اس کے لئے دفتر کے دفتر چاہئیں، بہت سے علماء ودانشوروں نے لکھا ہے ہماری لائبریریاں بھری ہوئی ہیں ہمیں جذبات وتعصبات سے بالاتر ہو کر انسانیت کی بھلائی کے لئے اسلام کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ دین سب انسانوں کا دین ہے، اس کے سایہ میں ساری انسانیت چین کا سانس لے سکتی ہے۔

حلال وحرام اور طہارت وپاکیزگی

زندگی سے متعلق دین فطرت کے تصورات ونظریات بہت ہی بلند ہیں خصوصاً حلال وحرام اور طہارت وپاکیزگی سے متعلق جو احکام وہدایات ہیں ان کی مثال دوسرے کسی معاشرے میں نہیں ملتیں۔ انسان کے لئے زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اشیاء واعمال اور اقوال واحوال کے اس ڈھیر میں جو ہر انسان کے سامنے ہے کون سی چیز یا کون سا قول وعمل انسان کے لئے اچھا ہے اور کون سی چیز یا کون سا قول وعمل انسان کے لئے برا ہے؟ جدوجہد کا آغاز اچھی اور بری کی حقیقت کو دریافت کرنے سے ہوتا ہے......... اچھی چیز یا اچھا قول وعمل اپنانے اور بری چیز اور برے قول وعمل سے بچنے ہی سے زندگی بنتی ہے۔ انسانوں کو پیدا کرنے والے نے دین فطرت کے لئے ایسا قانون ودستور دیا جس نے کھوٹا اور کھرا الگ کر دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ مخلوق کے لئے خالق سے اچھا کس کا دستور وقانون ہوگا کیونکہ خالق اپنی مخلوق کو اچھی طرح جانتا ہے اور مخلوق اپنے ہم جنسوں کو اچھی طرح نہیں جان سکتی اس لئے اس دنیا میں ہزاروں دستور وقانون بنے اور مٹ گئے لیکن دین فطرت نے جو قانون دیا تھا وہ ڈیڑھ ہزار برس سے جوں کا توں موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اس سے ہدایت ورہنمائی حاصل نہ کریں۔

ہم اللہ کا دیا ہوا پانی پیتے ہیں، ہم اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، ہم اللہ ہی کی دی ہوئی ہوا میں سانس لیتے ہیں اور اس کی بہت سی نعمتیں بے دریغ استعمال کرتے ہیں مگر اس کا دیا ہوا قانون اور دستور نہیں مانتے اور اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہی تو وہ نعمت ہے جس سے زندگی بنتی اور سنورتی ہے، جس سے انسان باہر سے بھی بنتا ہے اور اندر سے بھی بنتا ہے اور کھوکھلا نہیں رہتا، یہی نہیں کہ خود بنتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی بناتا ہے......... بات تھی حلال وحرام اور طہارت وپاکیزگی کی دین فطرت میں وہی حلال اور پاک ہے جو انسان کے لئے اچھا ہے اور وہی حرام اور ناپاک ہے جو انسان کے لئے برا ہے کیسا اچھا اصول ہے؟.........

طہارت وپاکیزگی کا تصور صفائی کے تصور سے بہت بلند ہے صفائی میں اصول صحت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، طہارت وپاکیزگی اصول صحت پر مبنی ہے۔ دور جدید کی صفائی اور دین فطرت کی طہارت وپاکیزگی میں یہی بہت بڑا فرق ہے یہ موضوعات ایسے ہیں کہ ان پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہاں ہم نے صرف اشارہ کیا ہے۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کی سچائی پر تاریخ گواہ ہے۔

حیوانات ونباتات

دین فطرت کی تدوین کے دوران ماہنامہ اسلام ٹائمز (اسٹاک پورٹ یوکے) کا شمارہ (اکتوبر ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۲۱ تا ۲۵) نظر سے گزرا اس میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک انگریز نومسلم فاضل ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے۔

ISLAM AND ANIMALS

یعنی اسلام کا جانوروں سے حسن سلوک......... اس مقالہ میں انہوں نے جانوروں کے ساتھ اسلام کے حسن سلوک کا جائزہ لیا ہے اس حسن سلوک کو دیکھ کر وہ خود مشرف باسلام ہوئے اس لئے وہ دور جدید کے جانوروں سے پیار کرنے والوں کو دعوت دیتے ہیں کہ جانوروں سے حسن سلوک سے متعلق اسلام کی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اس کی روح کو سمجھیں اور اسلام قبول کر لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام علم کے سہارے آگے بڑھتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب علم کا ساتھ نہیں دے پا رہے اس لئے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے پاس ماننے کی کوئی دلیل نہیں بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد مانتے چلے آئے ہیں ہم بھی مان رہے ہیں، معقول انسان کے نزدیک

یہ کوئی دلیل نہیں۔ یہ فکر انسانی کے جمود کی علامت ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (قوسین میں چند ضروری اضافات کے ساتھ) اس کا اردو ترجمہ اور تلخیص پیش کر دی جائے تا کہ قارئین کرام کو جانوروں سے اسلام کے حسن سلوک کے بارے میں اصل حقائق کا علم ہو جائے اور وہ ڈاکٹر محمد ہارون کی طرح دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

مقالہ "اسلام اور جانور"

مغربی دنیا کے لئے جانوروں کے حقوق ایک اہم مسئلہ ہیں اس مقالہ میں میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جانوروں کے حقوق کے بارے میں اسلام ہم سے کیا کہتا ہے اس طرح ہم اسلام کی گہرائی اور روح تک پہنچ سکیں گے۔ دوسرے لوگوں نے جانوروں کا یا تو دوسرے سے حقوق ہی نہیں دیئے یا اتنے حقوق دیئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے کوئی حقوق ہی نہیں......... ملحدوں کے نزدیک قانون صرف طاقت ہے، انسان طاقت رکھتا ہے اور جانوروں کی کوئی طاقت نہیں اس لئے انسان کی طرف سے جانوروں پر ظلم ڈھائے جانے کی کوئی حد نہیں......... سرمایہ دارانہ نظام خاص طور پر جانوروں پر مظالم ڈھا کر نفع حاصل کر رہا ہے۔ سائنسدانوں نے ان مظالم میں اور اضافہ کیا ہے وہ اس بہانے جانوروں پر خوفناک تجربات کر رہے ہیں کہ انسانی زندگی بہتر ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ پیسے کما سکیں گے۔ عیسائیت کا حال بھی اچھا نہیں، یورپ کے زمنہ وسطی میں جانوروں پر بہت مظالم ڈھائے گئے بلیوں اور ریچھوں کو باندھ کر ان پر کتے چھوڑ دیئے جاتے، بیسویں صدی عیسوی میں ہسپانوی بھینسوں کی لڑائی اس کی چھوٹی سی یادگار ہے۔ مغرب میں اٹھارہویں و رانیسویں صدی میں جانوروں کے حقوق کی بات کی گئی اور ۱۸۲۲ء میں انگلستان میں جانوروں کے حقوق کے لئے قانون بنایا گیا مغرب ایک انتہاء سے نکل کر دوسری انتہاء کو پہنچ گیا، پہلے جانوروں کے کوئی حقوق نہ تھے اور اب انسانوں کے کوئی حقوق نہیں......... بعض مذاہب میں جانوروں پر انسان کا کوئی حق نہیں ہے چنانچہ بدھ مت میں اس حد تک انسانوں کا حق سلب کر لیا گیا ہے کہ مکھی کو بھی دکھ نہیں پہنچایا جا سکتا بھکشو کو اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپ لینا چاہئے کہ کہیں مکھی منہ میں گھس کر مر نہ جائے ان لوگوں کے نزدیک انسان کو مکمل طور پر نباتی ہونا چاہئے......... بعض لوگ جانوروں کو انسان سے بہتر جانتے ہیں کہ انسان تو گناہ کرتا ہے اور یہ بے گناہ ہوتے ہیں اس وجہ سے بعض ظالموں نے زندگی بھر سبزیوں سے گزر بسر کیا......... ہٹلر کو کتوں سے بڑا پیار تھا ان کی صحبت میں لطف اٹھاتا تھا مگر اسی ہٹلر نے پچاس ملین انسانوں کو ہلاک کیا، ہٹلر گوشت کھانے والوں سے کہتا کہ تم لاشیں کھا رہے ہو مگر دور جدید میں جانوروں پر مظالم کو انسانوں کے برابر مظالم قرار دیا ہے۔ المختصر مغرب ایک انتہاء سے نکل کر دوسری انتہاء پر ہے، سائنس اور ازمنہ وسطی کی عیسائیت، جانوروں کے معاملے میں کلی طور پر غیر محتاط ہے اس کے بعد دور جدید کے سبزی خور اور جانوروں کے حقوق کے پاسدار ہیں جنہوں نے انسانوں کے حقوق چھین لئے ہیں۔

اسی لئے اسلام جانوروں اور انسانوں دونوں کو حقوق دیتا ہے، ہم اسلام کی روح تک پہنچنا چاہتے ہیں......... اللہ نے دنیا پیدا کی تا کہ اپنی مخلوق میں ایک خلیفہ بنائے جو اللہ کا نائب بن کر زمین پر حکومت کرے، یہ خلیفہ انسان ہے یعنی مرد و عورت جن پر اللہ کی حکومت ہے جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے......... دنیا میں صرف انسان اس قابل ہے کہ ترقی کی منزلیں طے کر کے مکمل ہو اور اللہ کی صفات کا مظہر بن جائے، بہت سی خوبیوں میں جانور انسان سے بڑھے ہوئے معلوم دیتے ہیں مثلاً چلنے میں، اڑنے میں، ذہانت میں، یادداشت میں، گھر کی تعمیر میں، لیکن پھر ایک پہلو سے جانور انسان سے کم تر ہے جانوروں میں لامحدود کمال اور ترقی کی صلاحیتیں نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق انسان کی رعایا ہے اور وہ فطری طور پر اللہ کی ہر مخلوق کو اپنی تکمیل کے لئے استعمال کر سکتا ہے جانوروں کو بھی اپنے لئے استعمال کر سکتا ہے لیکن (مخلوق پر) انسان کے حقوق محدود ہیں، جانوروں کے بھی حقوق ہیں انسان کو کسی وقت یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے سو انسان صرف اپنی تکمیل کے لئے جانوروں کو استعمال کر سکتا ہے۔ بہر حال اس کا یہ مطلب ہے کہ جسمانی کمال کے لئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اخلاقی کمال کے لئے......... انسان کو جانوروں اور اللہ کی دوسری مخلوق کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار نہ کرنا چاہئے جو اخلاقی طور پر ناپسندیدہ ہو......... نو انسانی اللہ کی مخلوق کا غلط استعمال نہ کرے خصوصاً جانوروں کا جو اللہ کی عیال ہیں۔ اللہ کی ہر قسم کی مخلوق اور جانور امانت ہیں جو ہمارے کمال میں مدد دیتے ہیں تا کہ ہم صفات الٰہیہ کا مظہر ہو جائیں، جانوروں سے متعلق اسلام کی ساری تعلیمات انہی بنیادوں پر مبنی ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو صحت کے لئے گوشت اور مچھلی کی ضرورت ہے، لیکن آپ جانور اور مچھلی کو کھانے کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے نہیں مار سکتے۔ بغیر کھانے کیلئے جانور کو مارنا اسلام میں منع اور ناجائز ہے، بہر حال آپ ان جانوروں کو مار سکتے ہیں جو انسان کے لئے خطرناک ہیں۔ کھانے کے لئے جانوروں کا شکار کر سکتے ہیں جیسے جنگلی خرگوش وغیرہ لیکن جو جانور آپ شکار پر ماریں گے وہ آپ کو ضرور کھانا ہے کھیل تماشے یا تفریح کے لئے جانوروں کا شکار نہیں کر سکتے اگر آپ شکار کے لئے کتے چھوڑ رہے ہیں تو پہلے بسم اللہ پڑھنا ہے شرط لگا کر مجبور خرگوشوں پر کتے چھوڑنا اسلام میں ناجائز ہے یہی حال گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کا ہے جو صرف شرط لگانے کی وجہ سے زندہ ہیں، اسلام میں ان باتوں کا وجود نہیں، جانور اللہ کی مخلوق ہیں اس لئے نہیں کہ ہماری تفریح کا سامان بنیں اور ہم شرطیں لگا لگا کر ان سے پیسے کمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ جانور کو اس لئے نہ ماریں کہ آپ کھا کھا کر پیٹو بن جائیں، ایک مسلمان کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا، آپ کو اچھی طرح یہ اطمینان کر لینا بھی ضروری ہے کہ جو جانور شکار کیا ہے وہ اچھی طرح کھا لیا گیا، جب کھا چکیں تو پلیٹ صاف کریں اور اسے چاٹ لیں تا کہ یہ بات یقینی ہو جائے کہ شکار کئے ہوئے جانور کے گوشت کا سالن ذرہ برابر ضائع نہیں ہوا بہر حال جانوروں کا شکار کم سے کم معقول کھانے کے لئے کیا جائے، معتدل غذا ہی انسان کو صحت مند کر سکتی ہے، جب کھائیں اللہ کا نام لیں کیونکہ ہمیں جانور کھانے کا حق اسی کی طرف سے ملا ہے خصوصاً یہ کھانے کا حق ہماری اخلاقی اچھائی کیلئے ملا ہے۔ جانوروں کو اس لئے زندگی دی گئی ہے تا کہ ہمارے لئے وہ غذا مہیا کریں اور ہم ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں (اس حقیقت کو نظر میں رکھیں کہ کسی جانور کے بغیر دنیا بے مقصد نظر نہیں آتی مگر انسان کے بغیر دنیا بے مقصد دکھائی دیتی ہے۔ مترجم)

تیسری بات یہ ہے کہ انسان کو ہر جانور کھانے کی اجازت نہیں جیسے چینی لوگ ریچھ اور سانپ کھاتے ہیں، مسلمان کو

مویشی کھانے کی اجازت ہے، مچھلی کی بھی اجازت ہے جب تک کہ وہ دریا میں ہے (زمین پر پڑی ہوئی اور مری ہوئی) اور تیرتی ہوئی مری ہوئی بھی جائز نہیں، پرندوں کی اجازت ہے لیکن تمام گوشت کھانے والے پرندے منع ہیں، مردہ جانوروں کے اعضا پر کسی بھی قسم کی جوئے بازی اور شرط لگانا ناجائز ہے، اسلام میں صرف صاف ستھرے اور نیک فطرت جانور کھانے کی اجازت ہے مثلاً گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ غلیظ اور بدصورت جانور جیسے خنزیر وغیرہ کھانے کی ممانعت ہے۔ جو جانور کسی مرض کی وجہ سے نقصان دہ ہو اس کی بھی ممانعت ہے، جانوروں کا خون بھی منع ہے کیونکہ اس سے امراض پھیلتے ہیں۔

حقیقت میں اسلام نیم سبزی خور مذہب ہے بہت سے جانوروں کو بالکل چھونے کی بھی اجازت نہیں (مسلمانوں کی گوشت خوری سے غیر مسلموں میں عام تاثر یہ ہے کہ مسلمان وحشی اور گوشت خور ہیں، حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے گوشت بہت کم کھایا اور سبزیوں پر گزارا کیا حضرت محمد ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کو گوشت اس لئے مرغوب تھا کہ دنوں میں ملتا تھا، آپ نے زندگی بھر سبزیاں، کھجور، دودھ، دلیہ، شہد، پنیر وغیرہ کا زیادہ استعمال فرمایا کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، گھر میں کبھی دو تین روز مسلسل چولہا نہ جلا، آپ کو لوکی بہت پسند تھی اور شوربے سے لوکی کے ٹکڑے چن چن کر نوش فرماتے تھے آپ کو سبزیوں سے ایسا پیار تھا کہ سبزی لانے والوں کو بھی نوازتے تھے، ایک ضعیفہ آپ کی خدمت میں ککڑیاں لے کر حاضر ہوئیں آپ نے مٹھی بھر سونے کے زیورات ان کی گود میں ڈال دیئے ایک اور صحابی آپ کی خدمت میں سبزیاں لایا کرتے تھے جب ان سے کوئی غلطی ہوگئی اور لوگ ملامت کرنے لگے تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور فرمایا ان کو ملامت نہ کرو یہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ مترجم) بہرحال اسلام نیم سبزی خور مذہب ہے جانور کی پرستش کا قائل نہیں اس سے گریز کرتا ہے، گھر میں پالتو کتے رکھنے کی بھی ممانعت ہے جانور کی پرستش کی مطلق اجازت نہیں جیسے کہ یورپ میں عام ہے لیکن جانوروں سے پیار کرنا حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک ایسی گنہگار و بدکار عورت کو جنت کی بشارت دی جس نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی۔ آپ کو بلیوں سے بڑا پیار تھا (حضرت محمد ﷺ کی اسی محبت و شفقت کی وجہ سے ایک دن ایک بوڑھا اونٹ بھاگتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جوانی میں میرے مالک نے مجھ سے کام لیا اور اب بڑھاپے میں ذبح کرنا چاہتا ہے پیچھے پیچھے مالک آ گیا آپ نے مالک کو اونٹ کی قیمت ادا کر دی اور اس بوڑھے اونٹ کو آزاد کر دیا۔ جانور بھی حضرت محمد ﷺ کو خوب جانتے تھے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بھیڑیئے نے ایک ریوڑ سے بکری شکار کی مگر چرواہے نے چھڑالی بھیڑیا بولا آج کا کھانا تو نے مجھ سے چھین لیا، چرواہے نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ بھیڑیا بول رہا ہے، بھیڑیا بولا اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اللہ کا رسول غیب کی خبریں بتا رہا ہے، چرواہے نے مدینہ منورہ میں آ کر حضرت محمد ﷺ کو یہ سارا قصہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ بھیڑیا سچ کہتا ہے۔ حجتہ الوداع کے موقع پر جب آپ نے منیٰ میں اونٹ ذبح کرنا شروع کئے تو ہر اونٹ آگے بڑھ بڑھ کر اپنی گردن پیش کرنے لگا۔ مترجم) ایک انسان جو جانوروں کو مارتا ہے لازماً اخلاقی طور پر ایک اچھا انسان ہونا چاہئے ایک اچھا مسلمان، نہ دیوانہ اور نہ شراب میں مست، ظلم سے بچنے کے لئے قصائی کو ذبح کرتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہئے، ذبح کرتے وقت جانور کو بالکل تکلیف نہ ہونا چاہئے، ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ نے دیکھا ایک شخص نے جانور کو زمین پر پٹخ کر سر پر پیر رکھا ہوا ہے اور اس دہشت زدہ جانور کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے آپ نے فرمایا یہ آدمی جانور کو دو مرتبہ کیوں ذبح کر رہا ہے۔ جانوروں کو مرنے سے پہلے کسی طرح بھی خوفزدہ نہ کرنا چاہئے دوسرے جانوروں کی موجودگی میں اس کو ذبح نہ کیا جائے کہ دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو جائیں دور جدید میں ذبح کرنے والے جانوروں کو قطار میں کھڑا کیا جاتا ہے جبکہ آگے والا جانور ذبح کیا جاتا ہے........ ذبح کرنے سے پہلے جانور کو خوب کھلایا پلایا جائے کوئی تکلیف نہ دی جائے آرام پہنچایا جائے اکثر ہم نے دیکھا ہے ذبح ہونے والے جانور بھوک و پیاس سے مر رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے ذبح کئے جاتے ہیں، اسلام نے ذبح کا جو نفیس طریقہ بتایا ہے ان طریقوں سے ذبح ہونے سے جانوروں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ ذبح کئے جائیں گے۔

اصل ذبیحہ یہ ہے کہ گلے کی شریانیں اس طرح کاٹی جائیں کہ خوب خون بہہ جائے اور چھری اتنی تیز ہو کہ جانور کو کچھ محسوس نہ ہو اور خون کا بہاؤ اتنا تیز ہو کہ ذبیحہ فوراً مر جائے اس طرح دم بھی بالکل آسانی سے نکل جائے گا اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی، کسی حالت میں بھی جانور ذبح کرنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے، اسی طرح اسلام صنعتی قصاب خانوں کے طریقوں کو جائز قرار نہیں دیتا جو جانوروں کے لئے بہت ہی ہیبت ناک ہیں، اسلام بیڑی فارمنگ اور دوسرے خوفناک طریقوں کو منع کرتا ہے کیونکہ تکنیکی طریقوں کا واحد مقصد نفع حاصل کرنا ہے (حضرت محمد ﷺ کے عہد مبارک میں قصائیوں کا وجود تھا نہ گوشت کی دکانیں، یہ گھریلو ماحول تھا۔ مترجم) ذبح کا وہ طریقہ جس سے جانور کو تکلیف ہو اسلام میں منع ہے۔ اگر ہم اسلامی طریقے سے جانوروں کو ذبح کریں تو یہ اخلاقی طور پر برائی نہ ہوگا کیونکہ اس میں جانور کی پوری پوری تکریم کا خیال رکھا جاتا ہے، اسلام کہتا ہے اگر آپ کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا ہوا گوشت نہ ملے تو نہ کھایئے جو حلال کھانا ملے وہی کھایئے جب تک حد سے زیادہ ضروری نہ ہو حرام گوشت نہیں کھا سکتے، وہ بھی اتنا کہ بھوک کی شدت ختم ہو جائے (نہ کہ مزے لے کر کھایا جائے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کھاؤ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ یعنی اللہ کا نام لے کر۔ مترجم)

انسان کو جانوروں پر اتنا مہربان ہونا چاہئے جتنا اللہ

قرآن کریم کا خطاب جہاں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے ہے وہاں اس کا خطاب سارے انسانوں سے ہے جس میں اس کائنات میں رہنے والے سبھی انسان آ گئے .... اللہ کی ذات اور وجود کی بات آئی تو کہیں فرمایا........ اے لوگو اپنے پالنہار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا........ کہیں فرمایا "اللہ لوگوں پر مہربان ہے" کہیں فرمایا "بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے" کہیں فرمایا "اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا" کہیں فرمایا "لوگوں کا پالنہار، لوگوں کا بادشاہ، لوگوں کا خدا" کہیں فرمایا "اے انسانو! اللہ کی نعمتیں یاد کرو" کہیں فرمایا۔ "اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو"

مہربان ہے، اسلام میں تو کیڑے مکوڑوں کے بھی حقوق ہیں آپ صرف ان چیونٹیوں کو مار سکتے ہیں جو کہ آپ کو ایذا دیں یا کھانا خراب کرتی ہیں، مکھیوں کو بھی ایذا نہ دی جائے نہ پانی میں الیں، اگر جلانے والی لکڑی میں چونٹیاں ہیں تو جلانے سے پہلے جھٹک کر چونٹیاں گرائی جائیں پھر لکڑیاں جلائیں، آپ ٹڈیاں مار سکتے ہیں مگر ان کو بھی زندہ نہ جلائیں حضرت محمد ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ کو جانوروں کو مارنے پیٹنے کی بھی اجازت نہیں جانوروں کی عقل نہیں ہوتی اس لئے مار پیٹ کر ان کو سبق نہیں سکھایا جا سکتا، آپ کو تیز دھار چھری سے یا شوٹ کر کے جنگلی درندے مارنے کی اجازت ہے آپ موذی جانوروں کو صرف اس وقت جلا سکتے ہیں جب مارنے کا دوسرا راستہ نہ ہو۔ حج اسلام کا اہم رکن ہے لیکن دوران حج کوئی حاجی نہ پودوں کو اکھاڑ سکتا ہے (نہ جانوروں کو مار سکتا ہے حتیٰ کہ معمولی جوں بھی نہیں کر سکتا، مترجم) اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک اور بدسلوکی پر جزا اور سزا ملے گی اس لئے بار بردار جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کی ممانعت ہے قیامت کے دن تمام جانوروں کو زندہ کیا جائے گا اور ان پر زیادتیوں کا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ حساب کتاب کے بعد جانوروں کو نابود کر دیا جائے گا۔

جانوروں کے بارے میں اسلام کی تعلیمات تمام مذاہب سے بہتر ہیں جو انسان جانوروں کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے اس کے نزدیک قوت ہی قانون ہے، اسلام میں قوت قانون نہیں بلکہ اللہ کی طاقت سب قوتوں پر حکومت کرتی ہے۔ سرمایہ داروں کے نزدیک اصل مقصد نفع ہے لیکن اسلام خود غرضیوں اور لالچ کے خلاف جنگ کرتا ہے اور صرف پیسہ کمانے کی غرض سے جانوروں کے ساتھ بدسلوکی کو روا نہیں رکھتا۔ اسلام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ سائنس کی پرستش نہ کی جائے سائنس کی اپنی حدود ہیں، اللہ کا رحم و کرم ہمیشہ سائنس سے بلند تر ہونا چاہئے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ سائنس کتنی کامیاب ہے۔ عیسائیت (ازمنہ وسطیٰ) میں جانوروں کی بے رحمی کے ساتھ ایذا رسانی ان کو آزمائش میں ڈالنا، ان کو جان سے مار ڈالنا یہ اسلام کے لئے اجنبی ہے۔

اسلام اٹھارویں صدی کے مصلحین سے اتفاق کرتا ہے کہ جانوروں پر ظلم وستم وحشی زندگی کا حصہ ہے، جانوروں سے وحشیانہ سلوک اخلاقی آلودگی ہے لیکن اسلام بنی نوع انسان کو فساد کی جڑ اور جانوروں سے کم تر قرار نہیں دیتا جیسا کہ بدھ مت کے لوگ اور دوسرے سمجھتے ہیں، بنی نوع انسان جانوروں سے برتر ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ جانوروں سے پیار کیا جائے اور نوع انسانی سے نفرت کی جائے جس طرح ہٹلر قسم کے لوگ جانوروں سے پیار کرتے ہیں.......... اسلام سوشلسٹوں سے بہتر ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جانوروں پر مہربانی امیروں کی ذہنیت اور جذباتیت کی غماز ہے.......... اسلام موجودہ دور کی جانوروں کے حقوق سے متعلق تحریکوں کے نظریات سے بھی بلند تر ہے انہوں نے جانوروں کو حقوق دینے کے لئے جانوروں کی تفریق و تقسیم کی ہے لیکن اسلام جانتا ہے کہ جانور اللہ کی مخلوق و عیال ہونے کی وجہ سے حقوق رکھتے ہیں، اسلام نے جانوروں کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کیا ہے اور اس کا منتہائے مقصد یہ ہے کہ جانوروں پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ جانوروں کو صرف اللہ کے لئے مارا جائے اور اسلام کا یہ بھی نظریہ ہے کہ جو جانور مارے جائیں گے قیامت کے دن سب زندہ کئے جائیں گے۔

لیکن اسلام کی برتری صرف ان باتوں سے نہیں ہے، جانوروں کو حقوق دینے والوں سے پوچھا جائے کہ وہ حقوق کی باتیں کیوں کرتے ہیں تو اس کا جواب وہ یہی دیتے ہیں کیونکہ جانور مجبور اور کمزور ہیں یعنی جو کچھ یہ کر رہے ہیں ضمیر کی آواز پر کر رہے ہیں لیکن اس صورت میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ میں ضمیر کی آواز کیوں سنوں اور کیوں نہ اپنا نفع دیکھوں خصوصاً ملحدوں کی سوچ یہی ہے کیونکہ نہ وہ اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان کو آخرت کے عذاب کا ڈر ہے لیکن مسلمان جانتا جانوروں کو تکلیف دی تو قبر کے عذاب اور آخرت کے حساب کتاب سے وہ بچ نہیں سکتا، یہی اسلام کی برتری ہے۔

اسلام جانوروں پر مہربانی کی حقیقی دلیل پیش کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں کو حقوق دیتا ہے حتیٰ کہ پودوں کو بھی حقوق دیتا ہے (چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے ملک شام کی طرف جو مہم روانہ کی اس میں مجاہدین کو جو ہدایات کیں ان میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں، پرامن شہریوں، عبادت گاہوں میں عبادت گزاروں کو ہلاک کرنے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ درخت کاٹنے اور عمارتیں ڈھانے کی بھی ممانعت فرمائی، آج کے ترقی یافتہ دور میں ترقی اور شائستگی کی دعویدار قوموں کی جنگیں آپ کے سامنے ہیں جنہوں نے وحشیوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے ایک واقعہ سے نباتات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے آپ نے عذاب قبر میں تخفیف کیلئے ایک قبر پر کھجور کی ہری بھری شاخ رکھ دی اور انسانی فکر کیلئے ایک نیا باب کھول دیا، آپ نے اپنے ہاتھوں سے خود کھجور کے پودے لگائے، آپ نے دل کے مریضوں کیلئے عجوہ کھجور تجویز فرمائی، آپ نے صحت و تندرستی کی خاطر دانتوں کی صفائی کے لئے پیلو کی خوشبودار جڑ کی مسواک تجویز فرمائی، ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ نباتات سے اسلام کو کتنا گہرا تعلق ہے۔ مترجم) بہر حال اسلام کے اس تصور سے کہ جس نے جانوروں کو تکلیف دی اس کو عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں حساب کتاب کیا جائے گا نیز اسلام نے جانوروں کے آرام اور حفاظت کیلئے جو تعلیم دی ہے اس کو پڑھ کر ان سب لوگوں کو مسلمان ہو جانا چاہئے جو جانوروں سے پیار کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی یہ احساس ہونا چاہئے کہ ان کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کتنا اچھا سلوک کرنا چاہئے۔ (کیونکہ وہ بے حسی اور بے عملی کا شکار ہیں مترجم)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اس کے مظہر ہو جائیں، اس کی طرح مخلوق پر حکومت کریں اور اس کے حکم کے مطابق اس کی مخلوق کو استعمال کریں، ہمارا اللہ کی مخلوق سے فائدہ اٹھانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ہونا چاہئے اگر ہم غذا سے لطف اٹھاتے ہیں اور گوشت کھا کر مزا لیتے ہیں تو ہم کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کھانے کا ہمارا یہ حق اس یقین سے جنم لیا ہے کہ ہم زمین پر اللہ کے کامل و مکمل نائب اور خلیفہ ہے اور ہمارا خیال اور ہمارا عمل خالص ہے (اسی لئے کھانے کے بعد دعا کی جاتی ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہم کو کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔ اسلام نہیں چاہتا کہ ہم غفلت سے کھائیں اور کسی لحہ بھی اللہ کو بھول جائیں، اسلام ہر آن ہم کو بیدار رکھنا چاہتا ہے، ہر مسلمان جانوروں کے حقوق کا پاسدار اور محافظ اور ایک بیدار نگہبان ہے اس کو ایسا ہی ثابت کرنا چاہئے۔ مترجم)

دین فطرت .... صلائے عام

قرآن کریم کا خطاب جہاں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں سے ہے وہاں اس کا خطاب سارے انسانوں سے ہے جس میں اس کائنات میں رہنے والے بھی انسان آ گئے .... اللہ کی ذات اور وجود کی بات آئی تو کہیں فرمایا .... اے لوگو اپنے پالنہار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا .... کہیں فرمایا ''اللہ لوگوں پر مہربان ہے'' کہیں فرمایا ''بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے'' کہیں فرمایا ''اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا'' کہیں فرمایا ''لوگوں کا پالنہار، لوگوں کا بادشاہ، لوگوں کا خدا'' کہیں فرمایا ''اے انسانو! اللہ کی نعمتیں یاد کرو'' کہیں فرمایا۔ ''اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو''

اور جب حضرت آدم اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر آیا تو حضرت آدم سے فرمایا، میں نے تم کو انسانوں کا امام بنایا اور حضرت محمد ﷺ کے لئے فرمایا ''اور ہم نے انسانوں کے لئے رسول بھیجا'' کہیں فرمایا ''اے انسانو! بیشک تمہارے پاس اللہ کا رسول وحی لے کر آیا'' کہیں فرمایا ''اے انسانو! تمہارے پاس پالنہار کی طرف سے دلیل آ گئی'' کہیں حکم دیا ''آپ فرما دیجئے میں تم سب انسانوں کے پاس اللہ کا رسول آیا ہوں'' کہیں فرمایا ''انسانوں کو اس دن سے ڈراؤ جب عذاب آئے گا'' کہیں حکم دیا ''فرماؤ کہ اے انسانو! میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا آیا ہوں'' کہیں فرمایا ''اے انسانو! میں تم سب کے پاس اللہ کا رسول آیا ہوں'' کہیں فرمایا ''آپ سب انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے آئے ہیں۔''

جب قرآن کی بات آئی تو فرمایا۔ یہ انسانوں کے لئے بیان ہے اور ہدایت و نصیحت ہے کہیں فرمایا ''ہم نے تیری طرف کتاب نازل کی حق کے ساتھ تا کہ انسان کے درمیان فیصلے کیا کریں'' کہیں فرمایا ''یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور اس لئے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں'' کہیں فرمایا ''تمہارے پالنہار کی طرف سے حق آیا'' کہیں فرمایا ''ہم نے اس قرآن میں انسانوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں'' کہیں فرمایا ''ہم نے تجھ پر کتاب اتاری انسانوں کے لئے حق کے ساتھ'' کہیں فرمایا ''اے انسانو! اللہ کی طرف سے نصیحت آئی اور جو تمہارے دلوں میں روگ ہے اس کا علاج''

جب کعبۃ اللہ کا ذکر کیا تو فرمایا ''بیشک انسانوں کے لئے سب سے پہلے اللہ کا گھر جو بنایا گیا وہ مکہ میں ہے'' اور جب حج بیت اللہ کی بات آئی تو فرمایا ''لوگوں پر حسب استطاعت اللہ کے گھر کا حج فرض ہے'' جب انسانوں کی وحدت کی بات آئی تو فرمایا ''سب انسان ایک قوم تھے'' اور جب امت مسلمہ کی بات آئی تو فرمایا ''تم اچھی قوم ہو جو انسانوں کی ہدایت کے لئے نکالی گئی ہو'' جب آپس میں حسن سلوک کی بات کی تو فرمایا ''انسانوں سے اچھی اچھی باتیں کرو'' اور جب کھانے پینے کی بات آئی تو فرمایا ''اے انسانو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں وہ کھایا کرو''

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ''قرآن کریم کا خطاب دنیا کے سارے انسانوں سے ہے یعنی مختلف زبانوں، مختلف رنگوں، مختلف نسلوں اور مختلف خیالوں کے انسان اور بار بار یہ باور کرایا کہ اللہ سارے انسانوں کے لئے مہربان ہے اللہ کے رسول سارے انسانوں کے لئے آئے اور سارے انسانوں کے خیر خواہ ہیں۔ اللہ کی کتاب قرآن سارے انسانوں کے لئے نازل ہوا اور یہ سارے انسانوں کے لئے ہدایت و نصیحت اور شفا ہے۔ اللہ کا گھر کعبۃ اللہ سارے انسانوں کے لئے بنایا گیا اللہ کا دین بھی سارے انسانوں کے لئے ہے۔ دین فطرت اسلام کے اس ہمہ گیر اور عالم گیر تصور پر غور کریں اور اپنے اصل دین کی طرف لوٹیں جو یقیناً اسلام ہے۔

سچا مذہب دین فطرت اسلام انسانوں ہی کے لئے ہے اور جو انسانوں کے لئے وہ انسانوں کو دشمنی کی تعلیم نہیں دے سکتا اسی لئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

یہ بات قابل افسوس ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کو جنگ اور خونریزی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے .... اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جن کے ہاتھ میں قلم ہے انہوں نے عمداً مسلمانوں کا اسی حوالے سے تعارف کرایا ہے ....

دوسری بات یہ ہے کہ جنگ اور خونریزی انسان کی فطرت ہے، جن مسلمان بادشاہوں اور فرمانرواؤں نے جنگ و خونریزی کی وہ اسلام سے منسوب کی گئی حالانکہ وہ مسلمانوں کی تاریخ نہیں بلکہ وہ انسانوں کی تاریخ ہے اور انسانوں کی تاریخ میں آپ کو اس قسم کی خونریزیاں ملیں گی .... حضرت محمد ﷺ ان خونریزیوں کو ختم کرنے آئے ....

ذرا غور کریں حضرت محمد ﷺ نے مکہ معظمہ میں دین فطرت اسلام کا پیغام سنایا۔ آپ کے ہم وطن آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ وطن کو چھوڑ کر چار پانچ سو کلومیٹر دور مدینہ منورہ تشریف لے گئے، آپ نے قیام مکہ معظمہ کے تیرہ سالہ طویل دور میں کبھی کسی کو مارنے کے لئے ہاتھ تک نہ اٹھایا مگر آپ کے دشمن آپ کے پیچھے لگے رہے اور آپ کے تعاقب میں کئی بار مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے چنانچہ آپ کی ہجرت کے دوسرے ہی سال ۲ھ مطابق ۶۲۳ء سے غزوات کا آغاز ہوا اور مسلسل کئی غزوات ہوئے مثلاً غزوہ بدر، غزوہ خندق اور غزوہ احد وغیرہ ۹ھ مطابق ۶۳۰ء یہ سلسلہ ختم ہوا اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اہل مکہ کے

> ''ایک دن لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے، ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے، اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ جنازہ غیر مسلم کا ہے، ہم نے انہیں جواب دیا کہ ایک دن حضرت محمد ﷺ کے سامنے یہودی کا جنازہ گزرا آپ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے، کسی نے کہا، حضور ﷺ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا ''کیا وہ جان نہیں ہے''

مدینہ منورہ پر پے در پے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے اپنے وطن مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور اپنے عمل سے یہ بتادیا کہ ہم جنگ نہیں چاہتے ہم تو محبت چاہتے ہیں .... اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ دس سال کے عرصے میں دونوں طرف سے جتنے لوگ شہید و ہلاک ہوئے اور جتنے زخمی ہوئے وہ تعداد و حیران کن ہے .... گیارہ سال کی مدت میں دونوں طرف کے تقریباً ایک ہزار افراد شہید اور قتل ہوئے اور اتنا بڑا انقلاب آیا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی خونریزی بھی اتنا بڑا انقلاب برپا نہ کرسکی .... حضرت محمد ﷺ نے انسانیت کے جسم کی صحت کی بقا کے لئے نوع انسانی کے جسم کا اتنا ہی آپریشن کیا جتنا ضرورت تھی، آپ نے خونی قاتلوں کی طرح انسانی جانوں کو بے دریغ ضائع نہیں کیا، آپ نے مقتول انسانوں کے جسم کی تکریم کا بھی سبق سکھایا اور ان کے ہاتھ پیر اور ناک کان وغیرہ کاٹنے سے منع فرما دیا اور دوست و دشمن سب کے ساتھ بعض معاملات میں یکساں حکم فرمایا اور بتایا کہ انسان، انسان ہے خواہ وہ دوست ہو یا دشمن .... وہ زمانے بیت گئے جب دین فطرت اسلام کو تلوار سے پہچانا جاتا تھا .... ایک فرانسیسی فاضل نے لکھا ہے۔

''یہ بات کہ مذہبی جنونی انسانوں نے تلوار کی نوک پر فتوحات کیں نہایت ہی بے ہودہ افسانہ ہے۔''

اور اے ایس ٹرائن لکھتا ہے۔

''ایک مجاہد کی وہ تصویر جس کے ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے ہاتھ میں تلوار بالکل جھوٹی ہے''

سب کو معلوم ہے کہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں حضرت محمد ﷺ کے بھی بدترین دشمن رہے آپ نے مدینہ منورہ سے ان کو نکالا نہیں بلکہ یہ اپنے کرتوتوں سے نکلے، مسلم خواتین کی بے حرمتی کی آپ کو زہر بھی دیا اور آپ کو شہید کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن ان کے ساتھ آپ کا سلوک ہمیشہ اچھا رہا کیونکہ آپ سارے انسانوں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے .... مدینہ منورہ کے ایک مشہور منافق نو مسلم عبداللہ بن ابی جس نے اسلام کا صرف لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور یہ بات حضرت محمد ﷺ کے علم میں تھی، ایک جنگ کے موقع پر آپ نے اس کی سفارش سے کئی سو یہودی قیدیوں کو رہا کر دیا .... اسی طرح ایک صحابی روایت کرتے ہیں۔

''ایک دن لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے، ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ جنازہ غیر مسلم کا ہے، ہم نے انہیں جواب دیا کہ ایک دن حضرت محمد ﷺ کے سامنے یہودی کا جنازہ گزرا آپ اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، کسی نے کہا، حضور ﷺ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا ''کیا وہ جان نہیں ہے''

اسی لئے قرآن کریم من کی صفائی کی بات کرتا ہے تن و من صاف ہوں تو پھر انسان، انسان ہے .... ہمیں انسانوں کی ضرورت ہے .... علامہ اقبال نے سچ کہا۔

خدا کے بندے ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

بندگی کی نسبت سے خدا کے بندوں سے پیار عبادت ہے اسی لئے قرآن کریم نے بدخواہوں اور دشمنوں سے پیار کرنا سکھایا، ہاں جو دشمن پیار و محبت کو خاطر میں نہیں لایا اس کا علاج تلوار سے ضرور کیا گیا مگر بے دریغ خون نہیں بہایا گیا اگر کسی نے بہایا تو قرآن کے خلاف کیا، قرآن نہ خونریزی کی تحریک کرتا ہے نہ تائید وہ تو یہ کہتا ہے ''جس نے ایک جان کو چھڑایا اس نے ایک جہان کو بچایا'' اور ''جس نے ایک جان کو قتل کیا اس نے سارے جہاں کو قتل کیا''

ترجمہ:

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب کو جلایا''

اور یہ جو قرآن کریم میں جگہ جگہ کافروں کو مارنے کی بات کی ہے تو یہ حکم اس وقت ہے جب کافر مسلمانوں کے مقابلے پر ہوں، یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں اور نہ اس کو کسی خونریزی کے لئے دلیل بنایا جاسکتا ہے .... اور یہ بھی خیال رہے کہ انسانوں کا انسانیت کے حوالے سے درد دکھ رکھنا منافقت اور صلح کلیت نہیں ہے، منافقت یہ ہے کہ سب کو صحیح سمجھنا اور صحیح سمجھ کر سب سے محبت اور تعلق رکھنا .... کیونکہ سب سیدھے راستے پر نہیں ہوسکتے، سیدھے راستے پر تو ایک ہی ہوگا، سب راستے سیدھے راستے کیسے ہوسکتے ہیں، ہاں! سیدھے راستے سے بھٹکنے والا ٹیڑھے راستے پر ضرور ہے .... انسانی ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان ٹیڑھے راستوں پر چلنے والوں کو سیدھے راستے کی طرف بلایا جائے اور سیدھے راستے پر چلایا اور وہ سیدھا راستہ دین فطرت ''اسلام'' ہی ہے .... ہم نے رنگوں اور زبانوں کے ساتھ نفرتیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ زبانیں تو معانی کے ساغر و پیمانے ہیں، قیمتی جام ہیں کوئی اسے توڑتا نہیں .... اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ انسانوں کے رنگ برنگ کے رنگ اور رنگ برنگ کی زبانیں تو ہماری نشانیاں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ:

''اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لئے۔''

نظر اس طرف کیوں نہیں جاتی کہ اس پردے میں وہ کون سی ہستی ہے جس کی قوت تخلیق کی یہ شان ہے .... حضرت محمد ﷺ نے یہی سکھایا کہ جب جام میں زہر بھر جائے تو زہر انڈیل کر آب حیات سے جام بھر دو اور انسان کو اللہ کی محبت میں مست کر دو .... آپ نے فرمایا۔

''انسان انسان کا بھائی ہے''

اللہ تعالیٰ سارے عالم کا رب ہے اور حضرت محمد ﷺ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دین فطرت کے بارے میں خوب غور وفکر کریں .... اصل میں انسان کو وضع داری اسلام میں آنے سے روکتی ہے کہ اسلام قبول کرلیا تو مذہب والے کیا کہیں گے، مگر جب ہم اپنی نجی زندگی میں غیر معقول باتوں کو اپنانے میں شرم محسوس نہیں کرتے تو پھر زندگی کی تعمیر کے لئے معقول باتوں کو اپنانے میں کیا شرم .... پھر وہ اصول بھی وہ ہیں جو کسی مخلوق کے نہیں بلکہ انسانوں کے رب نے انسانوں کے لئے بنائے ہیں .... یہ دور عقل وخرد اور تجربے اور مشاہدے کا دور ہے، حرکت کا دور ہے، جمود کا دور نہیں، اس میں وضع داری کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے، آپ خود سوچیں اور فیصلہ کریں .... میں یہاں ایک نو مسلم عبدالواحد شیخ کی دین فطرت اسلام کے لئے دعوت پیش کرتا ہوں وہ لکھتا ہے۔

''میں ہر ایک کو نہیں کہتا کہ مسلمان ہو جاؤ مگر انسانیت کے ناطے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کو دعوت دوں کہ

مذہب اسلام کا مطالعہ کریں"

قرآن کریم میں یہی دعوت تو دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ:

"تم فرماؤ اے کتابیو! ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے یہ کہ عبادت نہ کریں مگر خدا کی اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنا لے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"

عبدالواحد شیخ اپنے اسلام لانے کی وجوہات لکھتا ہے۔

"میری چوتھی اور آخری وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ اسلام دور حاضر کی تمام ضروریات کے عین مطابق ہے اس عہد کے مسائل کا حل کسی دوسرے مذہب کے پاس نہیں ہے"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے۔

"دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہے جو اسلام کی مانند اقوام عالم کی اقتصادی و راخلاقی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکے۔"

ہنٹر نے اسلام کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔

"اسلام کے شاندار کارناموں میں یہ عظیم کارنامہ ہے کہ یہاں عبادت کے لئے عبادت خانہ ضروری نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر جہاں چاہے اس آسمان کے تحت عبادت کرسکتے ہیں"

دین فطرت اسلام کی حقانیت اور سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غیر مسلم کسی لالچ کے بغیر مسلمان ہوتے ہیں جب کہ دور جدید کہ یہ زندہ حقیقت ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں جو لوگ جاتے ہیں وہ زن، زر، زمین کے لالچ میں جاتے ہیں تو صحیح معنوں میں یہ مذہب قبول کرنا نہ ہوا بلکہ اپنی مادی خواہش کو پورا کرنا ہوا.........

جس طرح سیاست میں ایک سیاسی پارٹی کے لوگ اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے ایک پارٹی کو چھوڑ کر دوسری پارٹی میں چلے جاتے ہیں اور تبدیلی کا یہ عمل ان کی زندگی کے ساتھ جاری رہتا ہے......... قرآن کریم نے مذہب کو ایک اٹل حقیقت قرار دیا تاکہ زندگی ہچکولے کھاتی نہ پھرے اس میں ایسا ٹھہراؤ ہو جو خود بھی بنے اور دوسروں کو بھی بنائے......... جو لوگ اسلام لاتے ہیں وہ زن، زر، زمین دیکھ کر نہیں آتے کچھ اور دیکھ کر آتے ہیں، وہ وہ دیکھ آتے ہیں جو ان کو نظر نہیں آتا، ہزاروں لاکھوں انسان اسلام لا چکے ہیں اور مسلسل اسلام لا رہے ہیں.........

دین فطرت اسلام دور جدید کے لئے ایک بڑا چیلنج بن گیا ہے، اس چیلنج کا اسلام قبول کر کے ہی مقابلہ کیا جا سکتا ہے......... اسلام قبول کرنے والوں کی ہزاروں داستانیں

اگر ہم نے دین فطرت کو اپنے معاشرے اور خود اپنے وجود پر حاکم نہ بنایا تو ان جنگوں کا دائرہ اور وسیع ہوتا جائے گا......... اسلام انسانیت کے لئے امن کا پیغام ہے۔ یہ سارے انسانوں کے لئے ہے، صرف مسلمانوں کے لئے نہیں......... اس لئے ہم سب کو اس کی آغوش میں پناہ لینی چاہئے۔ اس کی صداقت وسچائی کو تاریخ نے ثابت کر دیا ہے۔

چھپ چکی ہیں اور برابر چھپ رہی ہیں چنانچہ ایسی ہی کتابوں کا مطالعہ کر کے ہندو دانشور عبدالواحد شیخ مسلمان ہوا وہ لکھتا ہے۔

"دوسری کتابیں بھی پڑھی ہیں جن میں لوگ دلی محبت و رغبت کے سبب دین اسلام پر ایمان لائے......... ان میں سے ایک کتاب "ہم کیوں مسلمان ہوئے" پڑھی جس میں چھیاسٹھ تعلیم یافتہ لوگ، نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ مختلف شعبوں کے ماہر......... جن لوگوں نے کئی سال عیسائیت، بدھ مت، ہندو مت کو نہ صرف پڑھا بلکہ عمل کرتے رہے۔ مگر یہ مذاہب ان کی روحانی، سماجی، معاشرتی ضروریات پوری نہ کر سکے، پھر دین اسلام کے اصولوں پر عمل کرتے رہے، یہ مذہب ان کی روحانی، سماجی، معاشرتی ضروریات پوری کرتا تھا۔

بنگال کے ایک ہندو راجا کی بیٹی راج کماری جس کا اسلامی نام جاوید بانو رکھا گیا، وہ لکھتی ہے۔

"آخر کار میں نے سچائی کو تسلیم کر لیا میں بہت خوش ہوں اور میری روح مطمئن ہے........." صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو روزمرہ زندگی کا سچا رہنما ہے۔"

دین فطرت اسلام مردوں میں تو پھیل ہی رہا ہے لیکن خواتین میں بھی بڑے زور شور سے پھیل رہا ہے، اخبار جنگ کراچی کی ایک خبر ہے کہ صرف برطانیہ میں چالیس ہزار خواتین مشرف بہ اسلام ہو چکی ہیں جن کو اسلام سے بہت ہی محبت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طمانیت اور سکون اسلام ہی میں ہے اور یہ بات جب پیدا ہو سکتی ہے کہ جب دل سے پورے اسلام کو قبول کر لیا جائے......... اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

ترجمہ:

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو"

جو انسان دل سے اسلام لائے۔ جو پورے اسلام میں داخل ہوئے ان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔

اسلام امن چاہتا ہے امن۔ اس کی ساری تگ و دو امن کے لئے ہے۔ ماضی میں اس نے عرب وحشی معاشرے میں امن قائم کر کے دکھایا جو سخت حیرت ناک ہے.........

جدید دنیا عیاشیوں اور بے حیائیوں کے ساتھ ساتھ امن چاہتی ہے۔ اس طرح امن قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ اس وقت ساری جنگیں

☆ عیاشیوں، بے حیائیوں اور امن پسندوں کے درمیان ہیں

☆ ظالموں اور مظلوموں کے درمیان ہیں

☆ مجبوروں، مقہوروں اور جابروں اور قاہروں کے درمیان ہیں

☆ سادگی پسندوں اور فضول خرچوں کے درمیان ہیں۔

☆ بلند ہمتوں اور پست ہمتوں کے درمیان ہیں۔

اگر ہم نے دین فطرت کو اپنے معاشرے اور خود اپنے وجود پر حاکم نہ بنایا تو ان جنگوں کا دائرہ اور وسیع ہوتا جائے گا......... اسلام انسانیت کے لئے امن کا پیغام ہے۔ یہ سارے انسانوں کے لئے ہے، صرف مسلمانوں کے لئے نہیں......... اس لئے ہم سب کو اس کی آغوش میں پناہ لینی چاہئے۔ اس کی صداقت وسچائی کو تاریخ نے ثابت کر دیا ہے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئینہ قرآن میں

تحریر: حضرت احسن العلماء ماہرہ شریف (انڈیا) کی یادگار تقریر کا احوال

اللہ اکبر، جو صرف دستر خوانوں کے، جو سجے ہوئے دستر خوانوں کے بلاؤ ہوتے ہیں اور اس کے بعد جب وقت آ پڑے اس دستر خوان یوالے کے اوپر تو دور سے بھی سلام نہیں کرتے، پہچانتے بھی نہیں ہیں۔ تب صاحب، پھر یہ کہنے کا موقع ملتا کہ ارے صاحب کوئی خاص بات نہیں ہے، ایسی بات تو یوسف کے وقت میں بھی ہو چکی ہے، ایسی بات تو ان کے وقت میں بھی ہو چکی ہے، عیسیٰ کے وقت میں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور تیسرا سب سے اہم جواب جو ہے وہ یہ ہے، سنو میرے بھائی مسلمانو! اس بات کو، اللہ اکبر، میں نے کبھی اس موضوع پر اس سے پہلے اس طرح سے گفتگو نہیں کی ہے۔ آج تمہیں بتا رہا ہوں۔ تسرا اور آخری جواب جو ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کا رسول خود بیان فرما دیتا اور زیادہ مزید تفصیل کے ساتھ تو اس کا زیادہ سے زیادہ درجہ دینی اعتبار سے حدیث ہی کا ہوتا نا (سامعین: بے شک) ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا (سامعین: بے شک، بے شک) لیکن یہ جو بات ہوتی کہ حافظ شریف کھڑے ہوئے نماز پڑھانے کے لئے تو سورہ نور کی وہی آیتیں پڑھ رہے ہیں، میں کھڑا ہوا تو میں بھی سورہ نور کی وہی آیتیں پڑھ رہا ہوں، حافظ شہاب الدین کھڑے ہوئے یعنی مدرسوں میں وہی پڑھایا جا رہا ہے، مسجدوں میں وہی پڑھی جا رہی ہے، خانقاہوں میں وہی پڑھی جا رہی ہے، اگر رسول بیان فرماتے تو حدیث کا مرتبہ ہوتا نا (سامعین: بے شک) کبھی کبھی ہمارے علماء مفتی شریف الحق تشریف لاتے ہیں، مفتی صوفی نظام الدین تشریف لاتے ہیں، حضرت مولانا اختر رضا خاں صاحب ازہری قادری برکاتی رضوی زید مجدہ السامی تشریف لاتے ہیں، وہ احادیث کا بیان کرتے ہیں تو کبھی کبھی یہ حدیث بھی سنا دیتے لیکن یہ جو روزانہ پڑھا جاتا ہے، اللہ اکبر، جمعہ میں پڑھا جائے پنجگانہ میں پڑھا جائے، تراویح میں پڑھا جائے، اللہ اکبر، ہم گھروں میں پڑھیں گھروں سے باہر پڑھیں، اللہ اکبر، ہمارے بچے پڑھیں، ہماری بچیاں پڑھیں۔ بولو جب قرآن کا ختم ہوتا ہے تو سورہ نور پڑھی جاتی ہے کہ نہیں پڑھی جاتی ہے (سامعین: پڑھی جاتی ہے) اللہ اکبر۔ میں تمہیں بتاؤں رسول پاک ﷺ نے تاکید فرمائی ہے سنو مسلمانو! وہ بات بھی شاید مجھے نہیں یاد کہ میں نے اپنے مار ہرہ کے کسی بیان میں بتائی ہو۔ میرے سرکار فرماتے ہیں ''اپنی بیٹیوں کو سورہ یوسف نہ سکھاؤ بلکہ سورہ نور سکھاؤ'' (سامعین: سبحان اللہ) بولو بھائی، کیا سمجھے! بولو سورہ نور! کسی اور کتاب میں ہے، (سامعین: نہیں) سورہ یوسف تو قرآن میں ہے اور سورہ نور (سامعین: قرآن میں) وہ بھی قرآن میں ہے۔ لیکن کیونکہ سورہ یوسف میں حسن و عشق کا بیان ہے اور سورہ نور میں عفت و عصمت کا بیان ہے اس لئے فرمایا اپنی بیٹیوں کو اپنی بچیوں کو سورہ نور پڑھاؤ تاکہ بچپن ہی سے ان کے دماغوں میں، اللہ اکبر، یہ تو ہماری شامت اعمال ہے چونکہ رسول سے بہت دور جا پڑے ہیں اور روز بروز دور جاتے چلے جاتے ہیں۔ جتنا ہم رسول سے دور ہوتے جاتے ہیں، اللہ کی رحمت ہم سے دور ہوتی جاتی ہے۔ (سامعین: سچ ہے) اللہ کی رحمت ہم سے دور ہوتی جاتی ہے۔ آج ہماری قوم کی بچیاں اور بہنیں جو ہیں معاذ اللہ نامحرموں کے سامنے ڈانس کرتی ہوئی جاتی ہیں، نامحرموں کے سامنے ناچتی گاتی ہوئی جاتی ہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ غیروں کے تیوہاروں میں اسی طرح سے بے شرمی، بے حیائی کے ساتھ، کھلے داموں، کھلے بندوں آتی ہیں اور آنے کے بعد گل وعبیر چھڑکتی ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ تف ہے تف ہے ہمارے اوپر۔ اور تف ہے ایسی ماؤں اور بیٹیوں کے اوپر، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں، تم کو، سب کو جوہر حیاء عطا فرائے (سامعین: آمین وہ خدا کا رسول ہے وہ میرا ہی رسول نہیں ہے سب کا رسول ہے۔ بولو! ایک کا رسول ہے وہ (سامعین: نہیں) کائنات کا رسول ہے، وہ موجودات کا رسول ہے، ارے میاں فرشتوں کا رسول ہے، رسولوں کا رسول ہے، نبیوں کا رسول ہے، اللہ اکبر شجر و حجر کا رسول ہے۔ جی اللہ اکبر، آسمانوں کا رسول ہے، عرش کا رسول ہے، اللہ کا رسول ہے اور میاں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کا رسول ہے۔ (سامعین: سبحان اللہ) ارے ہاں جی، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کا رسول ہے، اللہ اکبر کہنے والوں نے اس کی رسالت کا انکار کیا اور بڑے طمطراق سے اپنے نزدیک کہا قالو الست مرسلاً۔ کیوں حافظ صاحب، یہی ہے نا آیت...... قالو الست مرسلاً تم رسول نہیں ہو۔ لست مرسلاً رسول نہیں ہو۔ یہ لیس کا لفظ جو ہے نفی میں بہت نہایت ہی گاڑھا لفظ مانا جاتا ہے جس سے ''لست'' بنا ہے۔ لست مرسلاً۔ تم رسول نہیں ہو۔ بیان فرماتا ہے۔ جواب دے رہا ہے فرماتا ہے۔ یٰس۔ اے سردار، ارے میاں انہوں نے خود اپنی رسالت کی گواہی دی تو سبحان اللہ۔ وقت پیدائش اشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ۔ میں گواہ دے رہا ہوں کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے اور میں گواہی دے رہا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ لیکن اس میں بھی چل گڈے چل گڈیاں کر سکتی تھیں کہ ارے صاحب یہ بھی رسول ہی کی باتیں تو ہیں لیکن اللہ فرماتا ہے، اے سردار۔ اللہ اکبر۔ یٰس۔ اس کے اصلی معنی، اصل مطلب کیا ہے وہ تو ہم نے سونپ دیا ہے جانکاروں کی طرف۔ الہ اکبر، ہم نے ترجمہ کیا اے سردار! سردار میں بھی پہلے ''س'' ہے اور ''یٰس'' میں بھی پہلا ''س'' ہے۔ فرماتا ہے۔ لست مرسلاً۔ کے جواب میں فرماتا ہے۔ یٰسن۔ اے سردار۔ والقرآن الحکیم اس حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ ان کا لمن المرسلین۔ ضرور تم تو اللہ کے رسول ہو (سامعین: بے شک، بے شک) کیا کہا تھا ''لست مرسلاً'' اس میں اتنی تاکید نہیں تھی۔ الفاظ تاکیدی نہیں تھے۔ لیکن یہاں تو قسم یاد فرماتا ہے۔ وہ بھی میری تمہاری قسم نہیں بلکہ قرآن حکیم کی،

حکمت والے قرآن کی قسم یاد فرماتا ہے اور سردار کہہ کر مخاطب فرماتا ہے۔ اے سردار! حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم رسولوں میں ہو۔ ہم نے تم نے رسول کی رسالت کی گواہی دی، سبحان اللہ، شجر و حجر نے رسول کی رسالت کی گواہی دی، سبحان الہ، عرش وفرش نے رسول کی رسالت کی گواہی دی، ارے میاں ان کا رب رسول کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے ''انک لمن المرسلین'' اور کیونکہ رب (گواہی) دے رہا ہے لہذا اپنے مرتبے کے مطابق دے رہا ہے۔ اللہ اکبر! سردار فرماتا ہے، حکمت والے قرآن کی قسم یاد فرماتا ہے اور پھر ''انک لمن المرسلین'' ان حرف مشبہ بالفعل جو انک میں ہے ان حرف مشبہ بالفعل۔ ہم نے کو دوں دے کر نہیں پڑھا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ انک لمن المرسلین۔ ان حرف مشبہ بالفعل جو تاکید کے لئے آتا ہے جیسے ہم اردو میں کہیں ''بے شک'' اور اس پر لمن المرسلین۔ خالی اگر یہ فرمادیتا کہ انک من المرسلین۔ تو بھی ترجمہ یہی ہوتا کہ بے شک ضرور آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ لیکن نہیں، فرماتا ہے ''لمن المرسلین'' وہاں ان تاکید کے لئے ہے اور یہاں ''ل'' تاکید کے لئے ہے۔ ''ل'' بھی تاکید کے لئے ہوتا ہے اور ''ان'' بھی تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ یہ تو ان کے لئے ہو جو جانتے ہیں۔ جو جانکار ہوں یہ تو سب ان کے لئے ہے۔ درود پاک پڑھ لیجئے۔

اب میں مضمون کو سمیٹ رہا ہوں۔ لہذا مختصراً دو ایک باتیں بتا دوں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ حاضر ہوئے اور اپنے والد ماجد کی وفات کی خبر سنائی اور کہا میں آپ کی اجازت لینے کے لئے آیا ہوں آپ کی اجازت ہو تو روضہ رسول میں...... آپ کو معلوم ہے روضہ رسول حجرہ عائشہ ہی تو ہے۔ اللہ اکبر۔ بڑا اپنے اوپر فخر فرماتیں، مجھے فخر ہے ساری ازواج مطہرات میں اس بات پر کہ میری گود میں رسول سر رکھے ہوئے لیٹے ہوتے اور قرآن نازل ہوتا ان پر۔ مجھے فخر ہے اس بات پر کٹورے میں جس جگہ میں منہ لگا کر پیتی وہیں سے میرا رسول منہ لگا کر پیا کرتا۔ (سامعین: سبحان اللہ) اللہ اکبر۔ فرماتی ہیں کہ میرے بعد رسول نے پھر کسی سے شادی نہیں فرمائی۔ اللہ اکبر۔ میری شادی کا دعوت نامہ وہاں سے آیا۔ اللہ اکبر۔ وہاں ہمیں پہلے زوجیت میں منسلک کر دیا گیا اور عرش سے مجھ پر تسلیم نازل ہوئی اور نہ جانے کیا کیا فضائل جو ان کے رب نے انہیں عطا فرمائے تھے اور ان کے چاہنے والے شوہر نے ان کو عطا فرمائے تھے وہ پڑھتی ہیں۔ فرماتی ہیں وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں اب اپنے اوپر عمر کو ترجیح دیتی ہوں، جاؤ تم دفن کرو۔ عمر فاروق دفن ہو جاتے ہیں۔ اب اس کے بعد جب کبھی حاضر ہوتیں حجرہ عائشہ میں اللہ اکبر۔ تو چادر سے اپنے آپ کو خوب چھپائے ہوئے حاضر ہوتیں۔ تب کسی نے پوچھا اے مادر مسلمین! یہ کیا بات ہے آپ تو پہلے ایسے ہی بے جھجک آجایا کرتی تھیں، کوئی چادر وادر آپ نہیں اوڑھا کرتی تھیں۔ کہا اس میں کون تھا، میرا شوہر تھا، میرا باپ تھا، ارے میرا شوہر اور میرا باپ یہ دو ہی تو تھے۔ تو کیا میں باپ سے شرم کرتی یا شوہر سے شرم کرتی۔ اب تو یہ عمر ہیں تو ''حیاء من عمر'' مجھے عمر سے شرم آتی ہے۔ لائیے جواب۔ یہاں سے سیکھنا ہے ہماری بیٹیوں اور بچیوں کو، اللہ اکبر، ''حیاء من عمر'' اب مجھے عمر سے جو قبر شریف میں لیٹے ہوئے ہیں، بولو بھائی قبر شریف میں ہی تو لیٹے تھے نا! اللہ اللہ۔ لیکن عائشہ صدیقہؓ بے حجاب نہیں داخل ہوتی تھیں۔ عائشہ صدیقہؓ پورے چادرے میں لپیٹ کر اپنے آپ کو تب حاضر ہوتیں۔ تب وہاں پر اللہ کا کلام پڑھتیں اور ان سب کی خدمات پاک میں اس کے نذرانہ ثواب کو پیش کر دیا کرتیں۔ درود شریف پڑھیئے۔

کہنے کو تو بہت کچھ تھا اور بہت کچھ ہے لیکن میرا یارائے زبان نہیں ہے اور میرے پاس وقت نہیں ہے بہر حال جتنا میں نے بیان کیا ''اگر در خانہ کسیت حرفے بسیت'' فارسی والے نے کہا کہ اگر اس گھر میں کوئی سمجھدار ہے تو اس کے لئے ایک ہی حرف کافی ہے اور جو بے سمجھ ہے تو لے ماشے

> ''میں اس شہر مکہ کی قسم یاد فرماتا ہوں محبوب! اس لئے نہیں کہ اس میں کعبہ ہے، اس لئے نہیں کہ اس میں حطیم ہے، اس لئے نہیں کہ کعبہ میں زمزم ہے اس لئے نہیں کہ اس میں صفا و مروی کی پہاڑیاں ہیں۔ نہیں اس لئے نہیں کہ بلکہ اس لئے، صرف اس لئے ''وانت حل بھذا البلد'' تم اس شہر مکہ میں تشریف فرما ہو۔ (سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ)

نہیں ملے خدا کی طرف سے، اس کے لئے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ لہذا میں اپنے بیان کو سمیٹتے ہوئے ابھی اعلان کر دوں آپ کے سامنے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا جو پیر ہے اس کو تاریخ ہوگی 20-20 ہی ہوگی نا (سامعین: ۲۰) ہاں ۲۰ تاریخ ہوگی۔ آج کیا تاریخ ہے؟ کون سا روزہ ہے آج؟ (سامعین: سترہواں روزہ) سترہواں روزہ۔ یوم عائشہ ہے نا! سترہواں روزہ ہے، اللہ اکبر، تب صاحب ۲۰ تاریخ کے بعد نماز عشاء و بعد تراویح، اسی مسجد میں انشاء اللہ تراویح کے بعد یوم علی ہے، وہ مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کی رات ہے۔ سمجھ گئے آپ۔ لہذا اس سلسلے میں ایک مجلس، یعنی آپ ہی لوگ جو آتے ہیں نماز میں تو وہی ان ہی سب پر مشتمل ایک مجلس ہوگی اور پھر کچھ ذکر خیر ہو جائے گا۔ کچھ نعت و منقبت کا سماں ہو جائے گا اور اس کے بعد صلوٰۃ وسلام ہو کر اور پھر وہ بھی ہوگا (شیرنی) وہ سب ہو جائے گا لیکن اسی رات میں 20 کا دن گزر کر جو رات آئے گی اکیسویں رات اس میں اس مسجد برکاتی میں بعد نماز تراویح، انشاء اللہ تعالیٰ شب شہادت منائی جائے گی۔ حضرت امیر المومنین خلیفہ چہار مولیٰ مرتضیٰ علیؓ کی ایک اعلان اور دوسرا اعلان یہ ہے کہ چاند ہو جانے پر ہاں، چاند ہو جانے پر، یہ نہیں کہ آپ اپنی طرف سے اٹکلیں چلیں۔ چاند ہو جاتے ہی جب چاند ہو جائے گا تب انشاء اللہ تعالیٰ قرآن نے فرمایا ''تم عدت کی تکمیل پہلے کرو'' گنتی پوری کرو اور اس کے بعد، اللہ کے لئے تکبیر کہتے ہوئے حاضر ہو۔ تب گنتی پوری کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ 29 کے بعد چاند ہو گیا تو اس حساب سے۔ بہر حال جس دن عید سعید ہوگی اس دن انشاء اللہ تعالیٰ حسب دستور قدیم نماز عید الفطر درگاہ معلی

میں ۸ بجے دن کے ۸ بجے صبح انشاء اللہ ادا کی جائے گی۔ اور ۳۰ تاریخ کا دن گزر کر رات میں اس مسجد میں مجلس ہوگی۔ مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ہمارے اسلاف کرام کی بزرگیوں اور ان کی فضیلتوں سے حصہ عطا فرمائے۔ (سامعین: آمین) کرامتوں سے حصہ عطا فرمائے اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تو بھائی صاحب البغدادی نے کہا کہ ف ہی ہے کیا۔ بولو! اس سے پہلے تو بہت سے حروف گزر گئے۔ حروف تہجی میں الف ہے، بے ہے، ت ہے، ج ہے، تو یہ ف ہی کیوں؟ تب ہم کو عربی گرامر بتاتی ہے کہ ف عربی کی گرامی میں تعقیب کے لئے آتی ہے۔ آپ کہیں گے کیا بھاری بھاری لفظ بولتا چلا جاتا ہے۔ تعقیب کہہ دیا ہماری سمجھ میں نہیں آتا آئیے میں آپ کو سمجھاؤں۔ تعقیب کے لفظی معنی ہیں ایک کام کا دوسرے کام کے بعد واقع ہونا۔ آپ نے کھانا کھایا۔ جی، آپ کا کھانے کا فعل، پہلے واقع ہوا، پھر میں نے کھانا کھایا، اب اس کو عربی میں کسی نے بیان کیا تو پہلے کہے گا آپ کا نام لے کر، کھانے کی آپ کی طرف نسبت کرے گا۔ پھر کہے گا فاکل فلاں ف آتے ہی کے ساتھ ہی بات ظاہر ہوگئی کہ کھانے میں ہم پیچھے تھے اور آپ آگے تھے۔ سمجھ گئے آپ! تب فرماتا ہے۔ ''یاایھا المدثر قم فانذر'' کھڑے ہو پھر ڈر سناؤ۔ کیا سمجھے آپ؟ ''یاایھا المدثر قم فانذر'' سامنے والے تم کھڑے ہو جاؤ۔ قم کھڑے ہو جائے فانذر اور کھڑے ہو کر ادھر آؤ اور فرماتا ہے ''وربک فکبر'' اور اپنے رب کی تکبیر بولو، کی بڑائی بولو۔ ''وثیابک مطھر'' اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو ''الرجز فاھجر'' اور گندگی کو دور کر دو۔ آپ نے دیکھا اور آپ نے ملاحظہ کیا۔ یہ صرف کپڑوں کے متعلق حکم تھا۔ کپڑوں کی پاکیزگی، کپڑوں کی صفائی، آپ دیکھتے ہیں، حالانکہ ہماری چیزیں تھیں، ہم سے نقل کیا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں غیروں کے جو مذہبی پیشوا کہلاتے ہیں کرچنس کے آپ لے لیجئے پادری، کتنے صاف ستھرے رہتے ہیں۔ بولو رہتے ہیں کہ نہیں رہتے (سامعین: جی ہاں) یہاں تو کوئی پادری نہیں ہیں لیکن میں نے دیکھا ہے Bishops کو بھی دیکھا ہے جو بڑے اسقف کہلاتے ہیں اتنے پاک صاف بظاہر ان کے کپڑے ہوتے ہیں، حالانکہ پاکیزگی، صفائی کا سب سے بڑا سبق اسلام نے ہمیں بتایا ہے۔ اس موضوع پر گفتگو مجھے کرنا نہیں ہے۔ عرض میں کر یہ رہا تھا کہ وقت وقت پر موقع موقع پر جب بھی بات آئی ہے تب اس قرآن نے محبوب کے لئے عظمت کے خطبے پڑھے ہیں۔ اللہ اکبر۔ کیوں؟ کہ فرماتے ہیں، یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے۔ وقار عارض

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآن کا وظیفہ ہے وقار عارض

اور پھر فرمایا: نہ تو قرآں ہے یہ عارض پاک نہ تو قرآن ہے نہ قرآن کے برابر، لیکن کچھ تو ہے جس پہ وہ ہے مدح نگار عارض۔ کچھ تو ہے ان کے اندر کچھ تو بزرگی ہے ورنہ پھر ان کی تعریفوں کے پل کیوں باندھے جا رہے ہیں۔ ان کے خطبے کیوں پڑھے جا رہے ہیں۔ ارے یہ بولتے ایسے ہیں کہ ان کے بول پسند آجاتے ہیں، ان کے بولوں کو فرماتا ہے اے محبوب، تم بولے تو تمہارے بولنے کی قسم (سامعین: سبحان اللہ) ہمیں تمہارے بولنے کی قسم، ان پر اترنے والی کتاب ان کے بولنے کی قسم یاد کر رہی ہے۔ فرماتا ہے۔ ''وقیلہ'' کہیں ایسا ہوا تھا، ایسا ایک مقابلہ ہوا تھا کہ سرکار نے تبلیغ حق وحقانیت تو اس پر کسی نے آمنا وصدقنا اور لبیک نہیں کہا۔ سرکار کا دل مغموم ہوا۔ ارشاد فرمایا اس وقت سرکار کے منہ سے نکلا، اپنے رب سے عرض کرتے ہوئے ''یارب یہ مجھے تو ایسوں سے واسطہ پڑا ہے کہ میں تو برابر تبلیغ کر رہا ہوں'' لیکن یہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ قوم ایسی ہے کہ سب کچھ دیکھتی جاتی ہے لیکن مانتی نہیں ہے۔ بس یہ کہنا پسند آگیا، فرمایا محبوب تمہارے اس کہنے کی قسم جو تم نے کہا کہ اے رب یہ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ اکبر۔ اب صاحب! ہم اپنی اردو زبان میں بلاتشبیہ کہتے ہیں نا اپنے پیارے محبوب سے بات کرتے ہیں، ہمیں تمہاری جان کی قسم، بولو کہتے ہیں کہ نہیں کہتے ہیں۔ (سامعین: بے شک کہتے ہیں) تو وہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ میں مسائل بیان کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں لیکن بات بیچ میں آجاتی ہے تو عرض کرنا پڑتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم کھانے کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ''الملفوظ شریف'' میں اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ واصحاب واجمعین کی قسم کھانا جائز ہے۔ فرمایا نہ، بے ادبی ہے۔ کیا سمجھے! رسول نے جو بتا دیا ہے اسے لو، جسے منع کر دیا ہے اس سے باز رہو۔ رسول ﷺ نے فرمادیا، ہماری قسم مت کھانا، قسم کھانا ہو تو اپنے رب کی قسم کھانا، جل جلالہ وعم نوالہ۔ لیکن بہرحال ہمارے اردو محاورے میں قسم کھائی جاتی ہے تو جان کی قسم بھی کھائی جاتی ہے۔ اپنے محبوب کی، اپنے پیارے کی آنکھوں کی قسم کوئی کھاتا ہے۔ کوئی سر کی قسم کھاتا ہے، کوئی دل کی قسم کھاتا ہے، اپنے اپنے محاورے ہیں، اپنی اپنی زبان ہے۔ تو قرآن فرماتا ہے ''ہمیں تمہارے بولنے کی قسم ہے۔

اور فرماتا ہے

''اے پیارے، ہمیں تمہاری جان کی قسم ہے یہ سب اپنے کفر کے نشے میں پڑے ہوئے مدہوش ہیں۔ (سامعین: سبحان اللہ) اور فرماتا ہے۔

''میں اس شہر مکہ کی قسم یاد فرماتا ہوں محبوب! اس لئے نہیں کہ اس میں کعبہ ہے، اس لئے نہیں کہ اس میں حطیم ہے

رسول نے جو بتا دیا ہے اسے لو، جسے منع کر دیا ہے اس سے باز رہو۔ رسول ﷺ نے فرمادیا، ہماری قسم مت کھانا، قسم کھانا ہو تو اپنے رب کی قسم کھانا، جل جلالہ وعم نوالہ، لیکن بہرحال ہمارے اردو محاورے میں قسم کھائی جاتی ہے تو جان کی قسم بھی کھائی جاتی ہے۔ اپنے محبوب کی، اپنے پیارے کی آنکھوں کی قسم کوئی کھاتا ہے۔ کوئی سر کی قسم کھاتا ہے، کوئی دل کی قسم کھاتا ہے، اپنے اپنے محاورے ہیں، اپنی اپنی زبان ہے۔ تو قرآن فرماتا ہے ''ہمیں تمہارے بولنے کی قسم ہے۔

،اس لئے نہیں کہ کعبہ میں زمزم ہے اس لئے نہیں کہ اس میں صفا ومروہ کی پہاڑیاں ہیں۔نہیں اس لئے نہیں کہ بلکہ اس لئے ،صرف اس لئے'' وانت حل بھذا البلد'' تم اس شہر مکہ میں تشریف فرما ہو۔(سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ)

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
ہے کلام مجید نے کھائی شہا تر سے شہر وکلام وبقاء کی قسم

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورضاہ عنا۔تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شہر کی قسم یاد فرماتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کی جان کی قسم یاد فرماتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کے بول کی قسم یاد فرماتے ہیں، ان کی باتوں کی قسم یاد فرماتے ہیں تو فرمایا

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآن کا وظیفہ ہے وقار عارض

کہنے والے نے بکواس کی، کہنے والے نے کہا'' لست مرسلا'' تم رسول نہیں ہو۔تم کہتے ہو تم رسول نہیں ہو ہم کہتے ہیں تم رسول نہیں ہو۔ فرماتا ہے یٰس۔ اے سردار! ''والقرآن الحکیم''۔اس حکمت والے قرآن کی قسم'' انک لمن المرسلین'' بے شک تم ضرور اللہ کے رسول ہو۔اچھا اب سنئے۔اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ہماری زبان میں کہا جاتا ہے کہ تصویر کے دو رخ ہوا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کا رسول تصویر سازی سے اور اس سے سب سے مبرّیٰ اور منزہ ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بات کہے بغیر بنتا نہیں معاملہ لہٰذا فرماتے ہیں۔

''یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں۔یہ بھی (منافق) ایک قوم ہوتی ہے۔جیسے دومنہی سانپ نہیں ہوتا ہے؟ چھ مہینے ایک طرف کا منہ کھاتا ہے چھ مہینے دوسری طرف کا منہ کھاتا ہے۔کیا سمجھے آپ؟ دو منہ ہوتے ہیں اس کے کبھی اس منہ سے کھاتا ہے کبھی اس منہ سے کھاتا ہے۔ظاہر ہے جب کھاتا دو منہ سے ہے تو بولتا دو منہ سے ہے۔سمجھے آپ! ہاں دومنہے سانپوں سے اللہ بچائے۔ایک ہی منہ کھلا رہے بس۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا ہی حکم فرماتا ہے۔منہ ایک ہی رہے، زبان اسی ایک منہ میں ہے تو اسی منہ سے اسی زبان سے بات کرے۔تو فرماتا ہے۔دونوں کے درمیان لٹکے پڑے ہیں۔نہ الی الذی نہ اولی لذی تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

تف نجدیت، نفر، نہ اسلام سب پہ حرف
کافر ادھر کی ہے، نہ ادھر کی، ادھر کی ہے

نہ اسلام قبول کرنے کو تیار ہے، نہ کفر قبول کرنے کو تیار

میرے صحابہ ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے تم ہدایت پر آجاؤ گے اور دوسری حدیث میں فرمایا'' میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے نوح کی کشتی جس وقت وہ کشتی چل رہی تھی جو بیٹھ گیا (سامعین: بیڑا پار ہو گیا) پار ہو گیا۔اور جو بچھڑ گیا (سامعین: وہ ڈوب گیا)

ہے۔چمگادڑ والی مثال ہوگئی۔جو منافق ہے۔جانوروں میں منافق تھا تب کسی نے قبول نہیں کیا، پرندوں میں گیا تو بھگایا گیا اور دانت والوں میں گیا تو بھگایا گیا کہیں گزر نہ ہوئی تب پھر الٹا اندھیرے میں جا کر لٹک گیا۔ایسی کی تیسی تمہاری، مت لگاؤ اپنے منہ، ہمارا اندھیرا ہی سہی ہے۔جبھی تو سعدی پکار اٹھے، پوچھا کسی نے چمگادڑ سے کہ کیوں صاحب یہ آپ دن میں کیوں نظر نہیں آتے۔کسی باغ میں اوندھے پڑے ہوئے ہیں تو کسی اندھیری کوٹھری میں لٹکے ہوئے ہیں۔یہ بات کیا ہے۔الٹے کیوں لٹکتے ہیں۔کہا، میاں صاحب بات ایسی ہے، یہ سورج نالائق نا ہنجار، یہ ایسی تیزی کے ساتھ چمکا ہے، کہ بس مجھے بڑا غصہ معلوم ہوتا ہے تو میں فوراً کوٹھری میں چلا جاتا ہوں۔کہا جا۔خیر وہی بات ہوئی کہ بیوی نے لونڈی کو ڈانٹا تو ساتھ کی سہیلیاں بہت خوش ہوئیں کہ ہاہا ڈانٹی گئی۔بہت چڑھ چڑھ کر باتیں بناتی تھی۔کہا، ہاں میں نے بھی اندھیری کوٹھری میں بیٹھ کر بیوی کو خوب گھورا کہا اری بیوقوف انہوں نے تو تجھے بر سر عام ڈانٹا، تو نے بیوی کو اندھیری کوٹھری میں بیٹھ کر گھورا تو کیا بنالیا بیوی کا۔تو کہا بس اندھیری کوٹھری میں پڑا رہتا ہوں اور وہیں سے سورج کو برا بھلا کہتا رہتا ہوں، تو سعدی پکار اٹھے۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

اگر دن میں چمگادڑ جیسی آنکھ رکھنے والا نہ دیکھ سکے یا چمگادڑ کی آنکھ نہ دیکھ سکے تو اس میں چشمہ آفتاب کا کیا گناہ ہے۔ارے وہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، ہر چیز اس کے نور سے مستفیض ہو رہی ہے۔یہ اگر الٹا لٹکا پڑا ہے اندھیرے میں تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔تو فرماتا ہے۔'' اس میں ایک گروہ نے کہا'' نشھد انک لرسول اللہ'' وہاں کیا کہا تھا'' لست مرسلا تم رسول نہیں ہو اور یہاں گواہی دے کر کہہ رہے ہیں۔ فرماتا ہے جب منافقین تیرے پاس آتے ہیں نشھد کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کیا گواہی دیتے ہیں؟ بے شک ضرور اللہ کے رسول ہو۔یہاں تک تو منافقین کا قول نقل کیا اور اس کے بعد فرمایا'' اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ضرور اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے بے شک یہ منافق جھوٹے ہیں'' (سامعین: بے شک) کیا سمجھے آپ؟ مطلب یہ نکلا کہ جب دل میں ایمان نہیں تھا، جب دل میں ایمان نہ ہو، خالی زبان سے اقرار رسالت کرنا قرآن عظیم نے اسے ماننے سے انکار فرما دیا۔قرآن ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔تو بات جو آئی تھی تو ایک بات یہ بھی بن گئی، اللہ اکبر، کہ یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے وقار عارض۔ اور پھر صاحب! جب جذبات عشق نے زور مارا تو آخر میں کہہ گئے کہ'' ترجمہ ہے یہ صفت کا وہ خود آئینہ ذات'' ترجمہ ہے یہ صفت کا، یعنی کلام کلام ہونے کی حیثیت سے کس کی صفت ہے؟ اماں بولو نا، متکلم کی صفت ہے۔میں بول رہا ہوں اور جب میں ہوتا ہی نا دنیا میں تو بولتا کون، حافظ جی بولتے، یہ بیٹھے ہیں ہمارے بھائی عتیق میاں، یہ بولتے۔ارے میں تو دنیا میں آیا، پلا، بڑھا، کچھ پڑھا، بولنے کے قابل ہوا تب تو بولا۔تو معلوم یہ ہوا کہ بولنے میں اصلیت بول نہیں ہے، بلکہ کیا ہے اصل، بولنے والا اصل ہے۔بولو بھائی! پڑھنا

اصل نہیں ہے بلکہ کیا اصل ہے؟ پڑھنے والا اصل ہے۔ تو موصول کا پایا جانا پہلے ضروری ہے۔ پہلے موصوف پایا جائے گا تب صفت پائی جائے گی نا، بغیر موصوف کے صفت پائی ہی نہیں جائے گی۔ اللہ اکبر درود پاک۔

تو اللہ کی صفات ذاتی سبعہ ہیں۔ سات ہیں وہ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پہلے گنائیں۔ اس سے پہلے بھی گنا چکا ہوں۔ تو صفات سبعہ ذاتیہ میں ایک صفت، صفت کلام بھی ہے کہ وہ متکلم ہے، جل لالہ وعم نوالہ۔ اس کو اپنے کلام میں زبان کی ضرورت نہیں، تالو کی ضرورت نہیں، اس کو دانتوں کی ضرورت نہیں، کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی وہ متکلم ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ تکلم جو ہے، یہ بولنا جو ہے تو ترجمہ ہے یہ صفت کا۔ اللہ کی ایک صفت کی ترجمانی کررہا ہے قرآن۔ اللہ کی صفت تکلم کی، کلام کی ترجمانی یہ قرآن کررہا ہے تو یہ صفت کا ترجمہ ہے۔ اور وہ خود آئینہ ذات، اللہ کا رسول خود ذات الٰہی کا آئینہ ہے۔ کسی صفت کا آئینہ نہیں ہے خالی۔ اللہ کے کسی فعل کا آئینہ نہیں ہے، اللہ کی کسی سنت کا خالی آئینہ نہیں ہے۔ اسمائے الٰہیہ کا بھی آئینہ ہے۔ افعال الٰہیہ کا بھی آئینہ ہے، صفات الٰہیہ کا بھی آئینہ ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے فرمادیا کہ وہ تو ذاتِ الٰہی کا آئینہ ہے۔ جبھی تو فرمایا اگر آئینہ نہ ہوتو نہ فرماتے۔ ''جس نے مجھے دیکھا اس نے میرے رب کو دیکھا'' (نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت، یارسول اللہ، یوم علی، زندہ باد، یوم علی زندہ باد، مسلک اعلیٰ حضرت، زندہ باد) تب پکار اٹھے ابو ہریرہؓ ''میں نے اپنے رب کو مدینے کی گلیوں میں دیکھا۔ کتنا پیار بھرا بول ہے۔ اللہ اکبر۔ ان ابو ہریرہؓ کا ان بلیا کے والد کا، اس بلیا کے باپ کا، کتنا محبت بھرا قول ہے کہ ''رایت ربی فی سکک المدینہ'' تم چلے، تم نکلے، تم بیٹھے، تم اٹھے، تم نے نماز پڑھی، تم نے سلام پھیرا تم نے قعدہ اور قومہ کیا اے میرے محبوب ﷺ تو تم کو دیکھا تو ابو ہریرہؓ نے اپنے رب کو دیکھا۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔ کیا محبت تھی ان حضرات کی، کیسے جانثار تھے، صحابہ کرامؓ ایک وہ خبیث تھا۔ دیکھا، ابو ہریرہؓ نے دیکھا تو وہ یہ بول اٹھے کہ ''ریت ربی فی سکک المدینۃ'' جب ابوبکر نے دیکھا تو وہ بول اٹھے میرے شرقی، میرے غربی، حسن کی آپ روشنیاں ہیں صورت میں آپ ایسے آفتاب ہیں کہ نہ مغرب میں محدود ہیں یعنی نہ پچھم میں آپ کی روشنیاں محدود ہیں، نہ پورب میں آپ کی روشنیاں محدود ہیں۔ ایک سی روشنیاں آپ کی پڑتی ہیں، پچھم اور پورب میں اور وہ بھی دیکھنے والا تھا جس نے دیکھا اور کہا۔

دید احمد را ابو جہل بگفت
یک نقش کج بنی ہاشم شگفت

احمد ﷺ کو ابو جہل دیکھ کر پکار اٹھا۔ کیا پکار اٹھا؟ کہ اے احمد ﷺ، بہت ہی بدصورت نقش ہو، بہت ہی بدصورت پھول ہو جو باغ بنی ہاشم میں کھلے۔ ابوبکر نے کہا تم آفتاب ہو، ابو جہل نے کہا تم بدصورت پھول ہو۔ دونوں موقعوں پر فرمایا ''صدقت یا ابا بکر، صدقت یا ابا جہل'' سچ کہا ابوبکر تم نے ٹھیک ہے ہمارا ایمان ہے ابوبکر نے جو کہا وہ سچ ہی سچ کہا۔ وہ تو صدیق ہیں ہی، اور صدیق بھی نہیں خالی، بلکہ صدیق (سامعین تھوری سی تاخیر سے کہتے ہیں: اکبر (سامعین سے مخاطب ہوکر) ارے بولا کرو جلدی سے، صدیق اکبرؓ ہیں (نعرہ بلند کرتے ہیں) صدیق اکبر کا دامن! (سامعین: نہیں چھوڑیں گے) سبحان اللہ۔ ایسا نہ ہو کہ یوم علی ہم منائیں تو صدیق اکبر کو بھول جائیں۔ شب علی منائیں اور صدیق اکبر کو بھول جائیں، یہی تو خصوصیت ہے سنی کی۔ آج جانے کہاں کہاں شبیں ہو رہی ہوں گی۔ شبوں کی آخری شب ہوگی لیکن اللہ اکبر، آج ہم برکاتی غلام الحمدللہ رب العالمین ایک ہاتھ میں ہاتھ ہے اصحاب کرامؓ کا اور ایک ہاتھ میں ہاتھ اہل بیت عظام کا۔ ایک میں ان کا دامن ہے اور ایک میں ان کا دامن ہے۔ اب پھر اعلیٰ حضرت سے پوچھو کہ پھر کیا ہے۔ فرماتے ہیں......... درود شریف پڑھو۔

میرے صحابہ ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے تم ہدایت پر آجاؤ گے اور دوسری حدیث میں فرمایا ''میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے نوح کی کشتی جس وقت وہ کشتی چل رہی تھی جو بیٹھ گیا (سامعین: بیڑا پار ہوگیا) پار ہوگیا۔ اور جو بچھڑ گیا (سامعین: وہ ڈوب گیا)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے تم ہدایت پر آجاؤ گے اور دوسری حدیث میں فرمایا ''میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے نوح کی کشتی جس وقت وہ کشتی چل رہی تھی جو بیٹھ گیا (سامعین: بیڑا پار ہوگیا) پار ہوگیا۔ اور جو بچھڑ گیا (سامعین: وہ ڈوب گیا)

ہاں! معلوم یہ ہوا ہے کہ عمل کی صلاحیت اور عمل کی غیر صلاحیت ہے، اس پر دارومدار ہے۔ بیٹوں، پوتوں پر دارومدار نہیں ہے۔ (سامعین: بے شک) بیٹے، پوتے ہونے پر خالی دارومدار نہیں ہے۔ میں قرآن سے دلیل پیش کررہا ہوں۔ الحمدللہ۔ قران سے بڑھ کر تو الگ رہا۔ قرآن کے برابر بھی کس کی دلیل مضبوط ہے اللہ اکبر۔ وہ تو دلیلیں سب نازل کی ہوئی ہیں اللہ کی طرف سے۔ اسی لئے ہمارے یہاں جو چار دلیلیں ہیں۔ ہمارے علماء اور ہمارے فقہاء اور ہمارے متکلمین جن چار ادلہ سے کام لیتے ہیں۔ ادلہ اربعہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ۔ گنو انگلیوں پر۔ کتاب اللہ، سنت رسول۔ آگے بتاؤ گے۔ میں نے بتادیئے۔ ففٹی پرسنٹ میں نے بتادیا۔ نہیں بول پاؤ گے۔ چلو سنو! کتاب اللہ، سنت رسول اللہ! اجماع امت اور قیاس مستحق۔ یہ چار دلیلیں ہیں۔ ہم پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع ہوں گے۔

کتاب اللہ سے اس مسئلے کو حل کریں گے۔ کتاب اللہ میں ظاہر ہے ہمیں اس کا حکم نہیں ملے گا تو ہم قرآن کی تفسیر مجسم محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں گے۔ انہوں نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ قرآن پر ہر بات چھوڑتے جاؤ۔ ''اقیمو الصلوٰۃ'' نماز قائم کرو فرمایا ''اتو الزکوٰۃ'' زکوٰۃ دو۔ فرمایا رمضان کے روزے رکھو، اور حج کے دور میں اگر واجب ہے تو حج کرو۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ نماز کیسے پڑھو گے، درود کیسے پڑھو گے، روزہ کیسے رکھو گے، زکوٰۃ کیسے دو گے، حج کیسے کرو گے۔ یہ کیا پوری تفصیل فرمائی؟ نہیں۔ اللہ اکبر۔ فرماتے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے تمہیں بے سر کا سرواہا بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ یا تمہیں دوسرے کی طرف جانا پڑے گا۔ اس کی تفصیل پوچھنے کے لئے کسی عیسائی، کسی یہودی، کسی مشرک کا معاذ اللہ، معاذ اللہ دامن پکڑنا پڑے گا۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ حکم ہم دے رہے ہیں نماز پڑھو، حکم ہم دے رہے ہیں زکوٰۃ دو، حکم ہم دے رہے ہیں روزہ رکھو، حکم ہم دے رہے ہیں حج کرو اور تمہارے اندر ایک مقیم الصلوٰۃ کو بھیجے دے رہے ہیں۔ (سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ) ''اقیم الصلوٰۃ'' ہم فرما رہے ہیں اور ''مقیم الصلوٰۃ'' کو تمہارے اندر مبعوث فرمائے دے رہے ہیں۔ وہ نماز پڑھ کر تمہیں بتائے گا کہ نماز ایسے پڑھی جائے گی (نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت یا رسول اللہ، حضور احسن العلماء زندہ باد، خاندان برکات، زندہ باد، نعرہ تکبیر اللہ اکبر) تو صاحب میں ایک بات آپ سے پوچھتا ہوں، کیا اللہ پچھم میں محدود ہے؟ (سامعین: نہیں) وہ کہیں بھی محدود نہیں ہے، وہ محدود ہے ہی نہیں، جو محدود ہے وہ خدا ہی نہیں۔ نہ اس کا کوئی ساتھی ہے نہ اس کا کوئی بھاگی دار ہے نہ اس جیسا کوئی ہے۔ نہ اس کی کوئی ضد ہے۔ نہ اس کا کوئی مد ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے۔ وہ تو ہر حد سے پاک و منزہ ہے۔ (سامعین: بے شک بے شک) اس کو تو تعین میں گھیرا ہی نہیں جاسکتا۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ خواہ مخواہ بھی بس یہی کہیں گے کہ نا بھیا دیکھ لو کدھر ہے قبلہ۔ ہیں! جنگل میں اگر کوئی ہے۔ سنو مسئلہ، مسئلہ آیا ہے تو مسئلہ بتانا پڑے گا، الٹی سیدھی باتیں کرنا کا عادی نہیں ہوں۔ الحمد للہ۔ بڑی ذمہ داری کے ساتھ مسئلہ بتاتا ہوں۔ آپ جنگل میں ہیں، نماز ظہر کا وقت آگیا، وہاں مسجد تو ہے نہیں۔ اللہ ہماری سب مسجدوں کو آباد رکھے۔ (سامعین: آمین) ہماری ساری مسجدوں، درگاہوں، خانقاہوں، آستانوں کی حفاظت فرمائے (سامعین: آمین) سب کی حفاظت فرمائے۔ (سامعین: آمین) بچوں کی حفاظت فرمائے، عورتوں کی حفاظت فرمائے، بوڑھوں کی حفاظت فرمائے۔ (سامعین: آمین) جو یہاتوں میں رہتے ہیں ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین ٹرینوں میں جو چل رہے ہیں، جو پلینوں میں چل رہے ہیں، رکشاؤں میں جو چل رہے ہیں جو پاؤں سے چل رہے ہیں۔ ان سب کی حفاظت فرمائے۔ (سامعین: آمین) دنیا میں فرمائے اور آخرت میں فرمائے۔ (سامعین: آمین آمین) جل جلالہ وعم نوالہ۔ اب آپ جنگل میں ہیں۔ مثلاً آپ جا رہے تھے اور نی مہنی کے کھاروں میں پہنچ گئے، نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ کی گھڑی پر نظر پڑی۔ زوال آفتاب ہو چکا ہے۔ نماز ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ اب نہ آپ کے پاس قطب نما ہے نہ کوئی جانکار آپ کے ساتھ ہے نہ کوئی مسجد ہے اور سمت قبل، استقبال قبلہ ضروری ہے، شرائط صحت نماز میں ایک وہ بھی شرط ہے۔ اللہ اکبر۔ کیا کیا شرط ہے؟ استقبال قبلہ شرط ہے۔ اور کیا شرط ہے؟ بتاؤ بھئی کیا کیا شرطیں ہیں! نماز کی شرائط بتاؤ۔ جس جگہ نماز پڑھ رہے ہو، اس جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ تمہارے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے۔ جس کپڑے پر پڑھ رہے ہو وہ شرط ہے۔ تکبیر تحریمہ شرط ہیا اور استقبال قبلہ شرط ہے اور نیت شرط ہے بولو! ہے کہ نہیں ہے! (سامعین: ہے) اور وقت شرط ہے اور اگر اس وقت آپ نے کل کی فجر پڑھی تو! (سامعین: نہیں) ہیں! چاہے اس مسجد میں نہیں دس مسجد میں پڑھ ڈالئے۔ جماعت سے پڑھئے، بے جماعت کے، کسی طرح بھی نہ ہوگی۔ درود شریف۔ آپ جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، کوئی بتانے والا نہیں ہے کہ قبلہ کدھر ہے۔ اب ایسے میں نہ مولانا مفتی شریف الحق ہیں نہ علامہ اختر رضا خاں ہیں، نہ ہمارے صوفی صاحب (مولانا مفتی صوفی نظام الدین) ہیں کوئی نہیں ہے نہ وہاں آپ کا خادم ہے۔ ٹوٹے پھوٹے کچھ مسائل، بہار شریعت کا مطالعہ کیا وہ یاد ہیں۔ سمجھ گئے آپ! فتاویٰ رضویہ تک تو پہنچ نہ ہے اپنی! درود پاک۔ اب کس سے پوچھیں کہ حضور بتائیں قبلہ کدھر ہے، نماز کا وقت آگیا۔ تو فرماتے ہیں جب کوئی نہ ملے تو یہ (قلب کی طرف اشارہ کرکے) مفتی (سامعین: بے شک) بیٹھا ہے نہ ابھی تک (سامعین: بیٹھا ہے) اور اس کا خدشہ کبھی نہیں ہوتا۔ (سامعین: بے شک) یہ جو مفتی ہے۔ چور جب چوری کے لئے نکلتا ہے نا تو اکثر اس کے دل میں بھی کچھ ہوتا ہے، تو کیا ہے یہ، اس کا خدشہ ہے۔ گھر آتا ہے کیوں کسی کے مال محفوظ میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے؟ کیوں کسی کے گھر میں سیند (نقب) لگانا چاہتا ہے؟ سمجھے کہ نہیں سمجھے! (سامعین: جی) آدھی عمر، اس کی عمر کا بڑا حصہ چوری میں گزر گیا لیکن وہ بھی جب چور کی نیت سے قدم بڑھاتا ہے تو کچھ ایک کھٹ سے اس کے دل میں ہوتا ہے۔ یہی تو اس کا ضمیر اسلامی ہے۔ یہی تو اس کا ضمیر ایمان ہے۔ اللہ اکبر، پر صاحبان مفتی دل سے پوچھیں گے کہ بولو قبلہ کدھر ہے؟ حکم ہے تحری کیجئے، دل سے پوچھئے، دل کی طرف متوجہ ہو جائیے اور دل جس طرف جم جائے کہ اس طرف قبلہ ہے ادھر منہ کرکے نماز پڑھ لیجئے۔ (سمعین: سبحان اللہ) نماز کا سلام پھیرا ہی تھا کہ حافظ شریف احمد صاحب آگئے۔ ماشاء اللہ۔ حافظ بھی ہیں اور قاری بھی ہیں اور گھڑی بھی ہے ان کے

> **یہاں ان کا عالم یہ ہے کہ فرماتے ہیں: وہاں تو یہ عالم ہرگز نہیں دیکھ سکو گے اور دیکھنا ہو تو اس پہاڑ کی طرف دیکھنا، اس کو دیکھا تو بیہوش ہوکر گر گئے۔ پہاڑ سرمہ جیسا ہو گیا، کوہ طور، اللہ اکبر اور وہاں عالم یہ فرماتے تھے۔ ''باینا'' ارے وہاں تو ہم تمہیں اس لئے لئے جا رہے ہیں تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ اللہ اکبر تو یہ ان کا وہ قرآن ہے۔ یوں ہی قرآن کا وظیفہ ہے وقار عارض'' فرماتے ہیں۔**

پاس اور چشمہ بھی ہے اور قطب نما بھی ہے۔ ہے نا! سب کچھ ہے۔ انہوں نے دور سے دیکھ لیا تھا، ماشاء اللہ جوان آنکھیں ہیں۔ دور سے دیکھ لیا کہ یہ جدھر منہ کر کے کھڑا تھا وہ تو لنکا کی طرف منہ کئے ہوئے تھا، قبلہ کو تو پیٹھ تھی۔ ارے کہا، بے وقوف! تو نے نماز پڑھی لی، نماز ہوئی کب، تیرا منہ قبلہ کی طرف کب تھا۔ کہا! صاحب! کچھ تھا ہی نہیں یہاں پر تو میں پوچھتا کس سے، کہا کہ ارے انتظار کیا ہوتا شاید ہم ہی نکلیں۔ کہا تو اس کی ہمیں تکلیف نہیں دی اللہ نے کہ تم کسی کا انتظار کرو (سامعین: تکلیف نہیں دی) ہم نے جس سے پوچھا اس نے ہمیں اجازت دے دی۔ فرماتے ہیں فقہائے کرام، تحری کر کے جو نماز پڑھی گئی، مان لو تھوڑی دیر کے لئے حقیقت میں اس کا رخ بجائے کعبہ کے لنکا ہی کی طرف ہو گیا لیکن چونکہ تحری کر کے نماز پڑھی، نماز دوہرانا ضروری نہیں۔ (سامعین: سبحان اللہ) مسئلہ فقہیہ ہے۔ یہ مصطفیٰ ﷺ کی فقہ ہے، ہاں اگر تحری نہیں کی، ارے یار ہوگا جی، ہر طرف اللہ ہے، ہیں! کہا جدھر چاہو ادھر نہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور زیادہ کسی نے کہا کہ خدا خود فرماتا ہے۔

جدھر منہ پھیرو ادھر اللہ ہی ہے۔ خیر اب اس کے معنی تو سمجھتے نہیں۔ اس کی گہرائی میں پہنچتے نہیں قرآن کا ترجمہ پڑھتے نہیں، قرآن کا ترجمہ سکھانے اور پڑھانے والوں کے پاس بیٹھتے نہیں۔ بس خالی الٹی سیدھی اٹھائی اور آیت پڑھ دی۔ یہ پتا ہی نہیں کہ اس کے اندر رموز و اسرار کیا ہیں۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ سے جب ضبط نہ ہو سکا تو پھر یہ کہہ دیا کہ ترجمہ: ''ہے یہ صفت کا وہ خود آئینہ ذات۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ایک صفت کا ہے۔'' ترجمہ۔ اللہ اکبر، اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ ''رب ارنی انظر الیک'' اے اللہ تو مجھے اپنی ذات کا مشاہدہ کرا دے۔ جی فرمایا ''لن ترانی'' ہرگز ہمیں نہیں دیکھو گے'' ادھر سے اشتیاق بڑھتا گیا، ادھر سے انکار آتا رہا۔ فرمایا ''ولکن انظر الی الجبل'' اچھا، اگر دیکھنا ہی چاہتے ہو تو سامنے پہاڑ ہے اس کی طرف دیکھو۔ سامنے جو پہاڑ ہے اس کی طرف دیکھو۔ اگر ہمیں دیکھنا چاہتے ہو۔ ''فان استقر مکانہ'' گر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا، ثابت قدم رہا، فسوف ترانی، تو تم ضرور ہمیں دیکھ لوگے۔ پھر فرماتا ہے۔ ''فلما تجلی ربہ للجبل'' یہودیوں سے کہہ دو اپنے موسیٰ کی۔ ارے میاں سچ مچ بات تو یہ ہے کہ یہ موسیٰ بھی ہمارے ہی ہیں، علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ اکبر، ہم سنی مسلمانوں ہی کے موسیٰ بھی ہیں اور عیسیٰ بھی ہیں۔ کہو ان سے کہ اگر اپنے موسیٰ کی معراج دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ ہمارے قرآن سے پوچھو، ہمارا قرآن، ہماری نبی پر جو نازل ہوا وہ بتائے گا، موسیٰ کی معراج بھی بتائے گا، ابراہیم خلیل کی معراج بھی بتائے گا جن جن کو معراج ہوئی ہے ان سب کی معراج ان لوگوں کے مرتبوں کے مطابق بتائے گا۔ فرماتا ہے۔ ''اور جب تجلی ڈال اس کے رب نے پہاڑ پر اس کو سرمہ جیسا پیس کر زمین پر ڈال دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے'' وہی موسیٰ کہ جب ملک الموت آئے تو ایک طمانچہ لگایا تو دونوں آنکھیں نکل گئیں۔ وہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہوں نے اپنے بڑے بھائی (ہارون علیہ السلام) کے جھونٹے پکڑ کر کھینچے وہی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام فلک چہارم پر سرکار جب معراج میں پہنچے تو آواز کانوں میں آئی، کوئی اونچی آواز سے کچھ پڑھ رہا ہے۔ پوچھا کون ہے، یہ جبریل۔ کہا حضور یہ موسیٰ ہیں اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں۔ کہا اچھا، رب سے مناجات اور اتنی اونچی آواز کے ساتھ۔ کہا ان کا رب جانتا ہے کہ ان کے مزاج میں گرمی ہے۔ (سامعین: سبحان اللہ سبحان اللہ) وہی بات یاد آ رہی ہے مجھے کہ تازت کشم کہ نازنینی ہم تمہارا ناز اس لئے اٹھاتے ہیں کہ تم ناز اٹھانے کے قابل ہو۔ قابل ہو کہ تمہارے ناز اٹھائے جائیں۔ ناز محبوبوں کے اٹھائے جاتے ہیں، ناز معشوقوں کے اٹھائے جاتے ہیں۔ ناز حسینوں کے اٹھائے جاتے ہیں۔ ادو، پدو، کچو، بچو (یعنی ایسے ویسے لوگوں کے) ناز نہیں اٹھائے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر ناز کر ناز بردار سے اور سودا کر خریدار سے۔ پرانی کہاوت ہے ناز کر ناز بردار سے، سودا کر خریدار سے تو یہی وہ موسیٰ ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، جیسے ہی نظریں اٹھتے ہیں تو بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ ستر گز کا ان کا قد مبارک، ستر گز ہی کا عصائے مبارک تھا۔ عصا تو چھوڑتے ہی نہیں تھے۔ اللہ اکبر، تب جناب کیا عالم ہوا ہوگا جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیہوش ہو کر گرے ہوں گے۔ ادھر موسیٰ بے ہوش ہوئے ادھر امام احمد رضا کی روح مبارک پکار اٹھی ''کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی'' (سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ) کس کو دیکھا؟ ارے کس کو دیکھا؟ کون پکار رہا ہے۔ رب کو دیکھا، رب کی تجلی ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ ہمارے مدرسوں میں پڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن وہ باتوں باتوں میں اشاروں اشاروں میں، آنکھوں آنکھوں میں، مکھم مکھم میں کہہ رہے ہیں۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

(نعرہ تکبیر: اللہ اکبر، نعرہ رسالت، یا رسول اللہ، یوم علی زندہ باد، حضور اعلیٰ حضرت، زندہ باد) تجلی جو پہاڑ پر پڑی تھی، وہ تمہاری آنکھوں پر نہیں پڑی تھی، تمہارے جسم پر نہیں پڑی تھی، وہ پورے کوہ طور پر نہیں پڑی تھی۔ ایک چھوٹے سے حصے پر پڑی تھی، اس کو تم برداشت نہیں کر پائے۔ تب اعلیٰ حضرت پکار اٹھے کہ کس کو دیکھا۔ بڑا معنی خیز شعر ہے، بڑا معنی خیز مصرعہ ہے۔ کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے۔ مجھ سے مت پوچھو، ارے اگر پوچھنا ہے تو پوچھو موسیٰ سے۔ کس کو دیکھ موسیٰ سے پوچھے کوئی۔ ارے وہ تجلی کس کی تھی، اللہ اکبر، جو پڑی تھی کوہ طور پر جسے دیکھتے ہی بیہوش ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

یہاں ان کا عالم یہ ہے کہ فرماتے ہیں: وہاں تو یہ عالم ہرگز نہیں دیکھ سکو گے اور دیکھنا ہو تو اس پہاڑ کی طرف دیکھنا، اس کو دیکھا تو بیہوش ہو کر گر گئے۔ پہاڑ سرمہ جیسا ہو گیا، کوہ طور، اللہ اکبر اور وہاں عالم یہ فرماتے تھے۔ ''بایتنا'' ارے وہاں تو ہم تمہیں اس لئے لئے جا رہے ہیں تاکہ تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ اللہ اکبر تو یہ ان کا وہ قرآن ہے۔ یوں ہی قرآن کا وظیفہ ہے وقار عارض'' فرماتے ہیں۔

ترجمہ ہے یہ صفت کا، وہ خود آئینہ ذات
لاکھ وسعت سے پسند آئی بہار عارض

''آہ بے مائیگی دل کہ رضائے محتاج'' مقطع میں فرماتے ہیں۔

آہ بے مائیگی دل کہ رضائے محتا
لے کر اک جان چلا بہر نثار عارض
نار دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو گم کر دے بہار عارض

تو صاحب، لمبی بات نہیں کرنا ہے، مختصر طور سے بیان کو ختم کر کے صلوٰۃ و سلام اور اس کے بعد پنج آیت شریف ہو گی اور اس کے بعد آپ سب حضرات خدا حافظ ہوں گے۔

تو صاحب، آپ آج سب جو آئے ہیں یہاں پر ہمارے برادر دینی حافظ شہاب الدین صاحب برکاتی، نائب پیش امام جامع برکاتی، اللہ ان کی زندگی میں اور تندرستی میں اور رزق میں، اور روزی میں سب میں برکت عطا فرمائے (سامعین: آمین) اور ہم سب کی ان سب چیزوں میں برکت عطا فرمائے (سامعین: آمین) انہوں نے تلاوت قرآن عظیم ختم کی بہت اچھا صاحب تو یہ ہے قرآن۔ کیا ہے؟ (سامعین: قرآن)۔ قرآن نہیں، قرآن بروزن فعلان، ف ع ل ان۔ عربی اتنی میٹھی زبان ہے کہ اس میں مصدروں تک کے وزن مقرر ہیں۔ قرآن بروزن فعلان تو قرآن خوانی ہوئی بیس راتوں تک ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ (سامعین: ہوئی) خالی دن میں تھوڑی ہوتی ہے قرآن خوانی۔ جب پڑھو تب قرآن خوانی ہو جائے۔ تو قرآن خوانی ہوئی اور آج قرآن خوانی کا آخری پارہ پڑھا گیا۔ بہت اچھا صاحب، تو یہ ہے قرآن۔ بہت سی کتابیں ہیں دنیا میں بڑی بڑی قیمتی کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ فوٹو آفسٹ سے چھپی ہوئی ہیں بلکہ اب تو فوٹو آفسیٹ کا بھی باپ نکلا ہے۔ ابھی میں نے پڑھا کچھ دن پہلے کسی اخبار میں یا رسالے میں کہ وہ مشین، وہ تکنیک اپنے ملک میں ابھی نہیں آئی ہے۔ وہ (طریقہ طباعت) فوٹو آفسٹ کا بھی باپ ہے۔ تو صاحب فوٹو آفسیٹ پر بھی چھپتی ہیں اور پرانا جو طریقہ تھا لیتھو پر اور اس سے پرانا تھا لکڑی کے پریس بنتے تھے اس وقت اس پر ڈالا چلتا تھا، اس پر چھپائی ہوتی تھی اور اس سے بھی پہلے جب یہ چھاپے اور تکنیکس نکلی ہی نہیں تھیں تو بکری کی کھال پر اور درختوں کی چھال پر لکھا جاتا تھا۔ یہ مصحف پاک پہلے ایسے ہی لکھا ہوا تھا نا! اللہ اکبر، تب صاحب، یہ قرآن عظیم و فرقان حمید جس کے تیس پاروں کا آج ہمارے حافظ صاحب نے ختم فرمایا۔ تو ساری کتابیں، کیسے ہی بڑے بڑے مصنفین کی لکھی ہوئی ہوں، کسی بڑے شاعر کا کلام ہو، کسی بڑے افسانہ نگار کے افسانوں کا مجموعہ ہو، کسی بڑے سے بڑے ناولسٹ کی کوئی ناول ہو، ایک دفعہ عتیق بھائی پڑھیں گے، دل بھر جائے گا، ہیں بھائی! عتیق بھائی کیا خیال ہے آپ کا؟ (عتیق: جی) ایک دفعہ پڑھیں گے۔ جیومیٹری پڑھیں ایک دفعہ۔ پڑھ لیا آپ نے۔ لا (قانون) کی کوئی کتاب پڑھیں۔ پڑھ لی آپ نے ایک دفعہ ہیں! اور کوئی چاشنی دار کتاب پڑھیں۔ میں مختصر بنا رہا ہوں آپ لوگ سمجھ جائیں گے چاشنی در کو۔ چاشنی دار کوئی کتاب پڑھی، ایک ہی چاشنی میں سیر ہو گئے۔ لیکن اس (قرآن عظیم) میں کچھ ایسی چاشنی ہے کہ جب پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی نازل ہوا ہے۔ (سامعین: بے شک، سبحان اللہ) یہ ابھی نازل ہوا ہے۔ یہ ابھی ابھی اترا ہے، اللہ اکبر۔ اس کے پڑھنے سے اور اس کی تلاوت کرنے سے، اللہ اکبر، من نہیں بھرتا۔ (سامعین: من نہیں بھرتا، بے شک) (قرآن) پڑھنے والوں کا من نہیں بھرتا اور حفاظ کو تو چاہئے کہ برابر پڑھیں اسے نہیں پڑھیں گے بھول جائیں گے اور بھول جائیں گے تو قیامت کے دن اندھے اٹھائے جائیں گے تو پوچھیں گے پوچھ گچھ تو آپ کو معلوم ہی ہے ہر جگہ چلتی ہے۔ تو آپ پوچھیں گے کہ آپ نے ہمیں اندھا اٹھایا تو کیوں؟ ہم تو انکھیارے تھے۔ فرمائیں گے۔ ہم نے تمہیں اپنی آیتوں کا علم دیا۔ تم نے اس کو بھلا دیا۔ ایسے ہی تم اپنی جانوں سے دور کئے گئے۔ تمہیں اندھا اٹھایا۔ بہت سنجیدہ وعید ہے۔ قرآن یاد کرنے کے بعد اس کو بھلا دینا۔ یاد رکھئے اس بات کو کہ جتنا آپ اپنا حصہ قرآن کو دیں گے مثلاً آپ نے سو حصے اپنے دیئے تب وہ دس حصے عطا فرمائے گا۔ یہ تو اس کا معجزہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہمارے حفظ ہو جاتا ہے۔ بہت اچھا صاحب، تو ساری کتابیں جتنی بھی ہیں دنیا میں اس وقت ان میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں جو کتب آسمانی کہلاتی ہیں۔ کون کون سی ہیں بھائی قرآن کے علاوہ۔ زبور پاک، تورات مقدس ہے، انجیل ہے، ان کے ماننے والے ہیں، ہم سے زیادہ ہیں اور ہم سے زیادہ مالدار ہیں۔ اللہ اکبر، جو اپنے آپ کو تورات والا کہتے ہیں۔ انجیل والا کہتے ہیں۔ زبور والا کہتے ہیں اور بہت سی کتابیں ہیں جن کے متعلق ان کے دگمبر کہتے ہیں کہ یہ سب آسمانی کتابیں ہیں۔ میری بحث اس سے نہیں ہے، یہ میرا موضوع نہیں ہے کہ میں یہ تحقیق کروں کہ ہیں کہ نہیں ہیں۔ بہر حال تورات و انجیل و زبور ان کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (سامعین: بے شک) سمجھ گئے آپ یہ سب کی منزل من السموٰت ہیں، آسمانوں سے اتری ہوئی ہیں۔ اللہ اکبر، اب آ گئے صاحب آنے والے۔ نور آ گیا۔ اے لوگو! اے مسلمانو! اے ایمان والو! یا اے عرب والو یا اے دنیا والو، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آئی۔ ''و کتاب مبین'' اور روشن کتاب آ گئی، پہلے روشنی آئی، پہلے نور آیا، نور آیا اور اس کے بعد کتاب آئی۔ سرکار دو عالم ﷺ غار میں مصروف ہیں عبادت میں۔ آنے والے آئے اور ان کو دبوچا۔ جی، دبوچنا تو سمجھتے ہی ہیں آپ سب لوگ۔ (سامعین: جی) تو دبوچا، اللہ اکبر اور کہا اقراء پڑھو۔ کہا کہنے والے نے ما انا بقاری نہیں پڑھتا، بولو بھائی، کیا کہا انہوں نے۔ پڑھو۔ ہمارے استاد کہتے ہیں کہ پڑھو۔ لڑکا کہہ دے، نہیں پڑھتے۔ تو پھر تنبیہ الغافلین نکلتی ہے نیچے سے، موسیٰ

علیٰ حضرت پکار اٹھے کہ کس کو دیکھا۔ بڑا معنی خیز شعر ہے، بڑا معنی خیز مصرعہ ہے۔ کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے۔ مجھ سے مت پوچھو، ارے اگر پوچھنا ہے تو پوچھو موسیٰ سے۔ کس کو دیکھ موسیٰ سے پوچھے کوئی۔ ارے وہ تجلی کس کی تھی، اللہ اکبر، جو پڑی تھی کوہ طور پر جسے دیکھتے ہی بیہوش ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام۔

بخش آتے ہیں۔ ہمارے بچپن میں دو سنیوں کا مرنا یاد ہے ورنہ اگر حافظ جی نے خود اپنے دانت دکھا دیئے کچکچا کے، تو طالب علم کی ہوا خراب ہو جائے گی۔ پڑھتے ہی بنے گا۔ لیکن کہنے والے نے کہا ''اقراء'' پڑھو۔ ہم نہیں پڑھتے۔ تب ان کے ملکوتی ذہن مبارک مبارک میں یہ بات آئی کہ جس سے میں کہہ رہا ہوں کہ پڑھو، ایسے نہیں پڑھے گا۔ تم نے خالی اتنا ہی تو کہا کہ پڑھو، اور تو کچھ کہا نہیں اس سے پہلے، اور تمہیں یاد ہوگا جبریل! جب یہ پیدا ہوئے تھے، تم رات میں جب آئے تھے تو تم نے کہا تھا۔ اظہر یا سید المرسلین تشریف لے آئیں رسولوں کے سردار دنیا میں نہیں تشریف لائے۔ فرمایا تم نے کہا تھا ''اظہر یا خاتم النبیین'' تشریف لے آئیں نبیوں کو ختم کرنے والے۔ نہیں آئے۔ کہا تم نے ''اظہر یا رحمۃ اللعالمین'' سارے عالم کے لئے جو رحمت بن کر آئے ہیں تشریف لے آئیے۔ نہیں آئے۔ تب تم نے سوچا تھا کہ یہ اپنے رب کے نام کے بڑے عاشق

یہ قرآن ہے محمد رسول اللہ کا مختصر کر کے میں بیان کر رہا ہوں بہت کچھ ہے ابھی میرے سینے میں الحمدللہ، بہت کچھ ہے ابھی۔ لیکن میں آپ کے سامنے سب نہیں۔ بس تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرماتے ہیں۔

ہیں۔ (سامعین: سبحان اللہ) لہٰذا اب ان کے رب کا نام لے کر کہنا چاہئے۔ تو تم فوراً آ گئے۔ (سامعین: سبحان اللہ) یاد آ گیا جبریل کو، تب کہا۔ پہلے خالی اقراء، اقراء عرض کر رہے تھے۔ اب کہتے ہیں، ارے پڑھو، میری طرف سے نہیں اس رب کے نام سے پڑھو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ (سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ) بولو، کیا اس کے بغیر پڑھ سکتے تھے (سامعین: نہیں) ایسے اپنے رب کے نام سے ہاں، اب ٹھیک ہے، جبریل اب بات کہی تم نے کہ پڑھو اپنے رب کے نام سے۔ رب کے نام سے تم جتنا چاہو ہم کو پڑھا لو۔ تم نے رب کا نام لیا نا! درود پاک۔

محمد کو خدا جانے خدا کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانیں، بہت اچھا صاحب، اب قرآن اترنا شروع ہوا۔ آج ہم تورات مقدس کے حضور میں حاضر ہوں، پوچھیں تورات سے، ظاہر ہے کہ تورات مقدس پوری کی پوری نہیں بدل دی گئی ہے۔ اگر پوری کی پوری ہے نہیں تو پوری کی پوری مبدل بھی نہیں ہوئی ہے۔ یقیناً ابھی بہت سی آیات اس میں موجود ہیں لیکن ہم تورات موجود کے حصار میں آئیں اور ہم اس سے پوچھیں آپ بتائیے کہ آپ اس دنیا میں کب آئیں تو رات خاموش ہے۔ آپ انجیل کے پاس پہنچے کیونکہ وہ بعد میں آئی ہے، حضرت عیسیٰ پر آئی ہے، پوچھا آپ نے انجیل! آپ بتائیے آپ کس پر اتریں۔ انجیل پاک خاموش ہے۔ زبور کے پاس پہنچے۔ کہا کچھ آپ، آپ میں تو نغمات ہی نغمات ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام، اللہ اکبر اور انجیل میں خطبات ہی خطبات ہیں۔ سیدنا مسیح علیہ السلام۔ لیکن تورات شریف میں خطبات بھی ہیں اور احکام بھی ہیں۔ احکام سارے کے سارے یاد رکھو تورات مقدس میں ہیں۔ ہمارے قرآن میں تو خیر سب ہی کچھ ہے۔ اللہ اکبر، بہت اچھا صاحب، اب ہم اپنے قرآن کی بارگاہ میں پہنچے۔ سنو اے مسلمانو! یہ قرآن جس کی آج تلاوت ختم ہوئی اس مسجد میں، اس قرآن کی بارگاہ میں ہم پہنچے۔ ہم نے ادھر ادھر نہیں پوچھا کسی سے، کسی اپنے عالم سے، کسی مولوی سے، کسی مفتی سے، کسی حافظ سے، کسی جانکار سے ہم نے نہیں پوچھا بلکہ خود قرآن کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ہم نے پوچھا یہ تو بتائیے کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ ہمارا آپ پر ایمان ہے تو آپ آئے کہاں سے ہیں فرمائے گا۔ ارے ہم سے پوچھتے ہو ہم کہاں سے آئے ہیں، ارے ہم رحمٰن و رحیم کی طرف سے آئے ہیں۔ اللہ اکبر (سامعین: سبحان اللہ)

رحمٰن و رحیم کا کلام بن کر ہم تشریف لائے ہیں۔ اچھا صاحب، فرمایا بڑی اچھی بات ہے کہ آپ اللہ کا کلام ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ تو نہیں ہے۔ قرآن خود جواب دے رہا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں، اپنے منہ سے بول رہی ہے۔ ارے کہا حضور یہ بھی ساتھ میں بتا دیجئے کہ وہ کون سا مہینہ ہے جس میں آپ تشریف لائے۔ بتائے گا رمضان کا مہینہ تھا۔ اس میں قرآن نازل کیا گیا۔ کہا حضور یہ بھی بتاتے چلیں کہ رمضان میں آپ نازل فرمائے گئے تو کیا خصوصیات ہیں آپ کی۔ فرماتا ہے۔ وہ قرآن جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اس میں حق و باطل کے درمیان۔ بہت اچھا صاحب اب پوچھا گیا کہ اچھا یہ تو بتائیے کہ آپ نازل دن میں ہوئے یا رات میں ہوئے۔ فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر میں ہم نازل ہوئے، ہم تشریف لائے۔ کہا حضور یہ بھی تو بتا دیں کہ تاریخ کون سی تھی۔ فرماتے ہیں، تین مرتبہ فرمایا لیلۃ القدر، انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، وما ادرک مالیلۃ القدر، لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ دو دفعہ پیش ہے۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ فی حرف ظرف ہے۔ اس کا مظروف ہے پہلا لیلۃ القدر۔ لہٰذا وہ مجرور ہے۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ وما ادرک ما لیلۃ القدر۔ اس میں مظروف نہیں ہے لہٰذا پیش ہے لیلۃ ال کی ۃ پر اور پھر فرماتا ہے لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ وہاں پر مبتدا ہے اور مبتدا ہمیشہ مضموم ہوا کرتا ہے۔ ضمہ اس پر ہوا کرتا ہے۔ یہ میں نے عربی گرامر کے مطابق آپ کو بتایا۔ کہا حضور بات پوری سمجھ میں نہیں آئی ارے کہا بھائی ایسی بات ہے کہ ہم نے فرمایا لیلۃ القدر اور تین مرتبہ فرمایا۔ اب ایک لیلۃ القدر کے حروف گن جاؤ کتنے ہیں۔ ایک رتبہ فرمانے میں 9 حرف ہیں۔ 9 کو تین سے گنوا (ضرب کرو تو حاصل گنوا کیا ہوگا۔ بولو (سامعین: ستائیس)

ستائیس۔ بتا دیا کہ ہم لیلۃ القدر میں آئے ہیں۔ اللہ اکبر، ستائیسویں رات میں ہم آئے ہیں۔ (سامعین: سبحان اللہ سبحان اللہ) اور حضور یہ بھی تو ارشاد فرما دیں آپ اردو میں اترے، آپ ہندی میں اترے، آپ لاطینی میں اترے، آپ گجراتی میں اترے یا آپ انگریزی میں اترے، یا آپ عبرانی میں اترے۔ فرماتا ہے۔ ''بلسان عربی مبین'' ہم عربی مبین میں تشریف لائے ہیں۔ ہم اس زبان میں آئے ہیں جسے عربی کہتے ہیں، وہ بڑی روشن زبان ہے۔ آپ کے ہر سوال کا جواب دیتا چلا گیا۔ یہ قرآن ہے محمد رسول اللہ کا مختصر کر کے میں بیان کر رہا ہوں بہت کچھ ہے ابھی میرے سینے میں الحمدللہ، بہت کچھ ہے ابھی۔ لیکن میں آپ کے سامنے سب نہیں۔ بس تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فرماتے ہیں۔ 26 کا دن گزر کر جو رات آنے والی ہے مسلمانو! تم نے مہینہ بھر محنت کی ہے، مہینہ بھر محنت کرو اور ایک رات میں سو جاؤ تو پھر مہینہ بھر کی محنت رائیگاں ہو جائے گی۔ کوشش کر، (یہ زور دے کر ادا کیا) ادھر ایک رات سو جاؤ، خوب پیٹ بھر کے سو لو، خوب نیند بھر سو لو، لیکن لیلۃ القدر میں جاگنے کی کوشش کرنا۔ جاگ کر لیلۃ القدر کو کاٹنا۔ فرماتا ہے۔ وہ ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں پر بھاری ہے۔ (سامعین: سبحان اللہ، سبحان اللہ) وہ ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں پر بھاری ہے۔ ارے اپنی قسمت پر ناز کرو اللہ اکبر۔ مصرع ہے، بلاتشبیہ پڑھنا پڑھتا ہے، ہم کو دعائیں دو تمہیں قاتل بنا دیا۔ (سامعین: بے شک) ہم کو دعائیں دو، ارے، ہم کو بیٹھا کر معشوق کہہ رہا ہے، ارے آپ تھے کیا کون پوچھتا تھا آپ کو، ہم کو دعائیں دو تمہیں قاتل بنا دیا، جس طرف نگاہیں اٹھاتے ہو، سیکڑوں کو قتل کرتے چلے جاتے ہو، اپنی نگاہ تیغ ناز سے قتل کرتے ہو، اپنی تیغ ناز سے قتل کرتے ہو۔ درود پڑھ لو صاحب۔